بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ امیدِ نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے

آئینۂ محبت

بحرِ محبت و معرفت • مثنوی رومی ثانی • مفیدِ مزاجِ لطیف
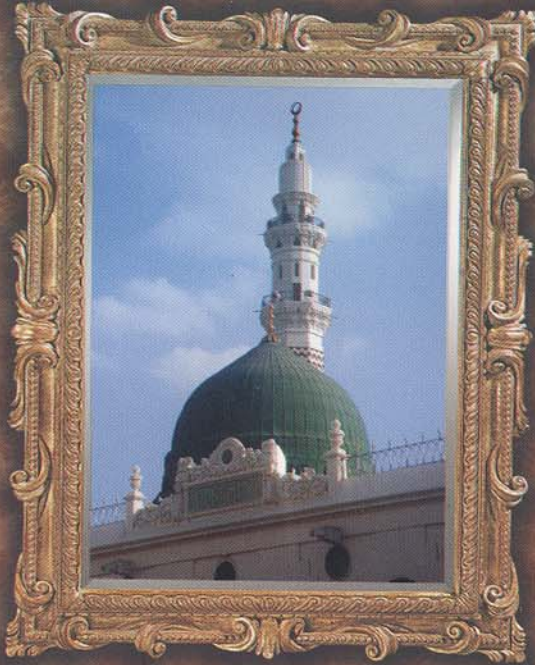
کلامِ میر • منظوم تعلیمات

مجموعہ کلام

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا الشاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

ناشر: یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
بالمقابل چڑیا گھر • شاہراہِ قائدِ اعظم • لاہور

نام کتاب	آئینۂ محبت
کلام	عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
جامع، مرتب	سید عشرت جمیل میر عفا اللہ عنہ
خطاطی	آئینہ محبت: محمد علی زاہد، آبگینۂ محبت: نصر اللہ مہر
تزئین	وسیم گرافکس
ناشر	یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ — گلشن اقبال کراچی، جامع مسجد قدسیہ بالمقابل چڑیا گھر شاہراہ قائد اعظم لاہور
ناشر	انجمن احیاء السنہ — نفیر آباد، باغبانپورہ لاہور
اشاعت	ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، فروری ۲۰۱۲ء
نگران اشاعت	ڈاکٹر عبد المقیم، خلیفہ مجاز: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم Mob: 0300-0321-0334-0313-9489624

فہرست

بحرِ محبّت و معرفت

مثنوی رومیٔ ثانی

مزاحِ مفیدِ لطیف

کلامِ میرؔ

منظوم تعلیمات

الحمدللہ مرشدنا ومولانا رومیٔ دوراں ، جنیدِوقت ، مجددِ زمانہ ، شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دام اللہ بقاءہم کا پہلا مجموعۂ کلام ’’فیضانِ محبت‘‘ جس نے طوفانِ عشقِ مجاز کا رُخ پھیر کر عشقِ حقیقی کی رعنائیوں اور لطافتوں سے آشنا کر کے سالکین کرام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے اور تشنگانِ راہِ طریقت کو جامِ معرفت سے سیراب کرچکا ہے اور اب دوسرا شعری مجموعہ ’’آئینۂ محبت‘‘ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں میں ہے ، اس مجموعے کے پہلے حصے میں حسبِ سابق آتشِ عشقِ حقیقی کو مہمیز لگانے والے اشعار ہیں جس میں حضرت والا دامت برکاتہم اپنے اسرارِ قلب کی دولت کو یوں آشکارا فرماتے ہیں ؎

ہر شعر میرا ، غم ہے تمہارا لئے ہوئے
اور دردِ محبت کا اشارہ لئے ہوئے
ارض و سما سے غم جو اٹھایا نہ جاسکا
وہ غم تمہارا ، دل ہے ہمارا لئے ہوئے

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

اب عشق میں ان کی خاطر ہم آنکھوں سے لہو برسائیں گے
جب دل سے انہیں ہم چاہیں گے ، وہ خود ہی کرم فرمائیں گے
جب شمعِ محبت دل میں لئے محفل میں ہو کوئی صاحبِ ضو
پھر عشقِ خدا کے پروانے خود اُڑ کے یہاں آجائیں گے

دوسرا حصہ حضرتِ والا مدظلہ العالی کی اُردو مثنوی کا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے چرواہے کا قصہ نیز سلطانِ ابراہیم ابن ادھمؒ کی آدھی رات میں سلطنت کو راہِ حق میں خیر باد کہہ دینے کی روداد حضرت والا دامت برکاتہم نے دلدوز انداز میں بیان فرمائی ہے، نیز پیر چنگی کا قصہ بھی عجیب و غریب کیف و مستی کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ مزید کئی مثنویاں شامل ہیں جس کے مطالعے کے بعد ہی اس کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تیسرا حصہ باب المزاح سے موسوم ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ حصہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کے ادبی ذوق کی لطافت کا آئینہ دار ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ایسی خوش طبعی و خوش مزاجی عطا فرمائی ہے کہ جو ایک بار حضرت والا کی مجلس میں آتا ہے حضرت کی بلندیٔ اخلاق و سادگی، بے تکلفی و محبت سے حضرت کا گرویدہ ہو کر بے اختیار پکار اٹھتا ہے ؎

جن سے مِل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے دیکھے نہ ہوں شاید مگر ایسے بھی ہیں

نیز بزبانِ حال وہ یہ شعر پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ ؎

تم نہ مانو مگر حقیقت ہے
عشق انسان کی ضرورت ہے
ان کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

حضرت والا کی خدمت میں کیسا ہی مایوس اور شکستہ و دریدہ دل شخص کیوں نہ آجائے مگر مجلس کے اختتام پر امیدوں کے سیکڑوں آفتاب اپنے قلب میں لے کر اٹھتا ہے ؎

نیست معشوقی ہمیں زلف چلیپا داشتن
دردِ سر بسیار باشد پاس دلہا داشتن

مقامِ مشیخیت یہ نہیں کہ زلفیں دراز کر لی جائیں بلکہ دلوں کا پاس رکھنا جو بڑا دردِ سر ہے کوئی آسان کام نہیں، صالح ہونا اور ہے اور مصلح ہونا اور ہے۔ حضرت والا نے خود اس حقیقت کو اپنے ہی شعر میں کس خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ؎

لب ہیں خنداں جگر میں تیرا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے مزاح میں بھی اصلاح ہوتی ہے، مزاح کے انداز میں بڑے حقائق اور نفس کی اصلاح اور حسن و عشق کی فنائیت اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ دل فانی لذتوں سے سرد ہو جاتا ہے مثلاً:

دوشیزہ اماں بن گئی پھر نانی ہو گئی
تاریخ حسن و عشق کی یوں فانی ہو گئی
ہونٹوں پہ ان کے مونچھ ہیں گالوں پہ داڑھیاں
اب ختم ہیں سب عشق و جنوں کی کہانیاں

جو تھے شگفتہ و تر و تازہ بہ شکلِ گل
دورِ خزاں میں اب ہیں وہ کانٹوں کی جھاڑیاں
میر کے آنسو میں پاتا ہوں نمک
غم ہے ظالم کو کسی نمکین کا

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت اقدس مدظلہ کے اس نزول کی قدردانی نصیب فرمائے اور ایک عارف کامل کی معرفت میں ڈوبے کلام سے امت کو استفادے کی توفیق نصیب فرمائے۔

چوتھے اور آخری حصے میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کے حکم سے راقم الحروف بندۂ ناچیز کے اشعار شامل ہیں جو اول تا آخر فیضِ مرشدِ کامل کا آئینہ دار ہیں۔ اکثر اشعار حضرت اقدس کی محبت میں قلب پر وارد ہوئے اور جب سپردِ قلم کر کے مرشدِ محبوب کی سماعتوں کی نذر کیے گئے تو دربارِ شاہِ سخن سے ایسی حوصلہ افزائی ہوئی کہ راقم شرمسار ہو گیا، اللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس مدظلہ العالی کو حیاتِ طویلہ طیبہ بہ صحت و عافیت و کارِ سرکار و قبولیتِ دربار میں ساعۃً فساعۃً ترقیات عطا فرمائے اور احقر راقم الحروف سمیت سارے عالم کو اس بحرِ عشقِ حقیقی سے فیض یاب ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

سید عشرت جمیل میر
خادم خاص حضرت اقدس دامت برکاتہم ۱۴۳۲ھ
مطابق ۱۷ مئی ۲۰۱۱ء

بحرِ محبّت و معرفت

دلائلِ توحید و وجودِ باری تعالیٰ

اے خُدا اے خالقِ کون و مکاں
ہے تری تعریف سے قاصر زباں

خاک کو کیسا شَرف تُو نے دِیا
قطرۂ ناپاک کو انساں کیا

آب و گِل پر یہ تری صورت گری
فہم سے باہر ہے یہ صنعت گری

ماں تھی تیری صنعتوں سے بے خبر
بن رہا تھا پیٹ میں اُس کے بشر

ہاتھ کس کا کام کرتا ہے وہاں
جُز ترے دستِ کرم اے شاہِ جاں

کارنامے دستِ قدرت کے ترے
نو مہینے بعد ظاہر ہو گئے

وہ جو کل اِک نُطفۂ بے جان تھا
لے کے نکلا جِسم وہ انسان کا

آفریں بر دستِ قدرت کاملہ
آفریں بر دستِ قدرت غالبہ

ہاتھ کو تیرے نہیں ہم دیکھتے
پر ہیں مصنوعات تیری سامنے

تاکہ خلقت یہ کرشمہ دیکھ کر
لائے ایماں تجھ پہ اے ربُّ البَشر

"اللہ اللہ ایں چہ نیکو داوری
از منی مردہ بت خوب آوری"

خاک کو اُڑتا فضا میں دیکھ کر
لاتے ہیں ایماں ہَوا پر بے خطر

عقل استدلال کرتی ہے وہیں
بے ہَوا یہ خاک اُڑ سکتی نہیں

پھُول کی خوشبو جہاں پاتے ہیں ہم
بر وُجودِ گُل یقیں لاتے ہیں ہم

عقل استدلال کرتی ہے وہیں
ہو نہ ہو یاں پھُول مخفی ہے کہیں

پھُول کی خوشبو کو بِن دیکھے ہوئے
ہم یقیں کرتے ہیں اس پر عقل سے

جب کماں سے تیر پرّاں ہوگیا
تِیر ظاھر اور کماں مخفی ہُوا

عقل استدلال کرتی ہے وہیں
بے کماں یہ تیر اُڑ سکتا نہیں

تیر اُڑتا ہے ہَوا میں جب کہیں
ہے پسِ پردہ کماں بھی بالیقیں

ایک چیونٹی رات میں آہستہ سے
چل رہی تھی دانۂ گندم لیے

دانۂ گندم کی حرکت تھی عیاں
چیونٹی تھی ظلمتِ شب میں نہاں
یہ جو حرکت دانۂ گندم کی ہے
اِس میں حرکت چیونٹی کی مخفی ہے
جان مخفی ہے نظر سے بالیقیں
پر علامت سے کیا اُس پر یقیں
یعنی کہتے ہیں سبھی اِنساں یہی
حرکتِ تن حرکتِ جاں سے ہُوئی
صد ہزاراں یہ نظائرِ غیب کے
اے خُدا شاہد ہیں تیری ذات کے
تاکہ پہچانیں تجھے تیرے عباد
یؤمنوں بالغیب سے ہوں شاد باد
تاکہ بندوں پر کرے حجت تمام
تا نہ ہو اِتمامِ حجت تشنہ کام

یہ مہ و خورشید یہ ارض و سماء
جز ترے کس نے انہیں پیدا کیا

ہے کوئی مخلوق جو دعویٰ کرے
ہم نے یہ ارض و سماء پیدا کیے

چاند سُورج کی یہ خوش رفتاریاں
ہیں یہ کس کے حکم سے جاری یہاں

تو نے یہ پیدا کیا سارا جہاں
اپنے بندوں کے لیے اے شاہِ جاں

اور بندوں کو چُنا اپنے لیے
اپنی طاعت اور اُلفت کے لیے

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

اے خدا اے خالقِ کون و مکاں
ہے تری تعریف سے قاصر زباں
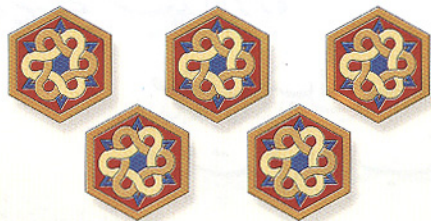
تو نے یہ پیدا کیا سارا جہاں
اپنے بندوں کے لیے اے شاہِ جاں

اور بندوں کو چُنا اپنے لیے
اپنی طاعت اور اُلفت کے لیے

اے خُدائے پاک ربِّ بے نیاز
اپنے بندوں کا ہے تُو ہی کارساز

صدقہ تیری رحمتِ ذَخّار کا
صدقہ تیرے سیّد الابرار کا[1]

صدقہ سب اصحاب کا اور آل کا
صدقہ کل اقطاب کا ابدال کا

[1] صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

صدقہ اِس اُمّت کے ہر نبّاض کا
صدقہ میرے مرشدِ فیّاض کا

صدقہ تیرے حضرتِ اَبرار کا
صدقہ تیرے جملہ اخیار کا

اے خدائے پاک اپنے فضل سے
چُن لے مُجھ کو آخرت کے واسطے

اے خُدائے پاک اے ربُّ العِباد
تیرے ہی محتاج ہیں سارے عِباد

گرچہ میں نالائق و بدکار ہوں
اپنی بدعملی سے زیرِ دار ہوں

میں ہوں خالی گرچہ استعداد سے
پَر توقّع ہے تری امداد سے

ہم نے گو گستاخیاں کیں راہ میں
گو گرے ہم معصیت کے چاہ میں

اب ہیں لیکن اشکبار و شرمسار
اپنے کرتوتوں پہ اے پروردگار

تیری رحمت سے ہمارا انفعال
ہو قبولِ بارگاہِ ذوالجلال

کر نہ واپس تُو مجھے دربار سے
ہُوں میں بہرہ ور تری سرکار سے

جس کو چاہے تُو کرے اپنا ولی
تو نہیں پابند فن کا اے غنی

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

صدقہ رحمت واسعہ کا اے کریم
عَفو فرما میرے عصیانِ عظیم

بھیس میں ہوں پاکبازوں کے ترے
گو نہیں اعمال ہیں ایسے مرے

نقل کی برکت سے لیکن اے خدا
اپنے پاکوں سے نہ کر مجھ کو جُدا

اے خُدا تابع رہوں تیرا سدا
ہو نہ میرا نفس میرا مقتدا

اے خُدائے پاک اے پروردگار
سخت دشمن ہے یہ میرا نفسِ مار

گر نہ ہووے فضل تیرا اے کریم
میں رہوں بس ننگِ شیطانِ رجیم

گر ہو تیرا فضل اے ربِّ رحیم
جانِ صدّیقاں ہو یہ جانِ سقیم

ہمسفر یں ہے نفسِ بد ابلیس کا
کام ہے اس کا محض تلبیس کا

کشمکش میں پڑ گئی جانِ حزیں
العیاذ از نفسِ بد بئس القریں

تیری جانب سے نہ ہو رحمت اگر
ہر قدم میرا پڑے سوئے سقر

موکشیدہ گر رسیدم کوئے تو
آفریں بر دست و بر بازوئے تو

صدقہ تیرے جذب کا اے شاہِ جاں
صدقہ شانِ یجتبی بر بندگاں

جانِ مہجوراں کو از راہ نہاں
جذب کرلے اے مرے جذّابِ جاں

اے خدائے پاک اے پروردگار
جُز ترے ناصر کوئی میرا نہ یار

ہم ضعیفوں عاجزوں کو اے خدا
دستگیری کا تری ہے آسرا

آپ کی عظمت کا حق میرے الٰہ
کچھ نہیں مجھ سے ادا ہوتا ہے آہ

اے خدائے پاک اے ربِ کریم
بخش دے میرے گناہانِ عظیم

صدقہ شانِ جذب کا اپنی کریم
بہہ نہ جانے دے مجھے سوئے جحیم

صدقہ فیضِ شیخ کا اے شاہِ جاں
جذب کرلے مجھ کو از راہِ نہاں

صدقہ فیضِ مرشدِ عبد الغنی
دے مجھے اپنے سے تُو کچھ آگہی

صَدقے حضرت پھُولپوری شاہ کے
تو عطا کر مجھ کو نعرے آہ کے

پار کر دے اے خُدا کَشتی مری
بہرِ فیضِ مُرشدِ عبدُ الغنی

تڑپے مچھلی جیسے پانی کے بغیر
دے تڑپ اُس سے سوا اپنے بغیر

قرب کی لذّت چکھا کر اے خدا

رنجِ دُوری میں نہ کر پھر مُبتلا

یارِ شب کو روزِ مہجوری نہ دے

جانِ قربت دیدہ کو دُوری نہ دے

آپ کا قرب و حضوری اے خدا

بہتر است از نعمتِ ہر دو سرا

ذرّہ سایہ عنایت کا ترا

خوب تر از لاکھ طاعت بے ریا

ورنہ میرا نفسِ سرکش اے خُدا

تیری نزدیکی سے رکھتا ہے جُدا

کیونکہ شیطاں بے عنایت کے تری

قید میں رکھتا ہے مجھ کو نفس کی

معصیت کی ذلّتوں سے اے خُدا

ہو نہ رسوا بندۂ عاجز ترا

نفس کے ہاتھوں سے رُسوا دربدَر
آہ مَیں کب تک پھروں بے بال وپَر

بابِ رحمت پر ترے اے شاہِ جاں
دے رہا ہوں دستکِ آہ وفغاں

کٹ گئی اک عُمر میری اس طرح
مضطرب ہو مُرغِ بسمل جس طرح

تیری جانب سے نہ ہو گر اجتذاب
کوئی ہو سکتا نہیں ہے باریاب

تیری رحمت کا اگر ہو فتح باب
بندۂ عاجز ترا ہو کامیاب

آہ رہ سکتا ہے کب کوئی حجاب
فضل کا تیرے جو نکلے آفتاب

اے خداوندا ترے افضال سے
طالبِ رحمت ہیں ہم بدحال سے

مانگتا ہوں تجھ سے تیرے فضل کو
واسطہ اُس فضل کا خود فضل ہو

جذبِ غیبی ہر نَفَس ہو راہبر
نَفْس و شیطاں سے تُو کر دے بے خطر

دین ہی کی چاکری تُو کر نصیب
یاد ہی میں رکھ تُو اپنی اے حبیب

"جُز بذکرِ خویش مشغولم مکُن
از کرم از عِشق معزولم مکُن"

بے مشقت یہ ہوس گو جُرم ہے
مُجھ کو اس نالائقی پر شرم ہے

پر خُداوندا کہاں جاؤں بھلا
کیا کوئی دَر ہے ترے دَر کے سِوا

ہمّت و محنت کہ توفیقِ عمل
سب ترے محتاج ہیں اے عَزّ و جل

جس کو تیری راہ سے جو بھی ملا
وہ ترے دستِ کرم سے ہی ملا

ناخنِ تدبیر گھس جانے کے بعد
پردۂ اسباب جل جانے کے بعد

بس تری جانب ہے اب میری نگاہ
ناؤ میری پار ہو میرے اِلٰہ

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

اے خداوندا یہ میری مثنوی
جو پڑھے اس کو ہو تجھ سے آگہی

بھر دے تو ہر شعر میں انوارِ عشق
جس سے ہوں ظاہر ترے اَسرارِ عشق

ہو مرا ہر شعر ایسا دردناک
جس سے پیدا ہو ترا ہی عشقِ پاک

عِشق سے تیرے رہوں مَیں جامہ چاک
دردِ دِل سے لوں مَیں تیرا نامِ پاک
جو بشر بھی سُن لے میری آہ کو
بس تڑپ جائے وہ تیری چاہ کو
عِشق سے اپنے تو دل کو طور کر
نُور سے اختؔر کا دل معمور کر

پھر گنبدِ خضرا سے منوّر ہوئے ہیں ہم

ربّ کے کرم سے آج ہیں ہم زائرِ حرم
کعبہ کا در ہے اور ہے دیوارِ مُلتزم

میری نظر کے سامنے ہے کعبہ محترم
یہ نعمتِ طواف بھی کیسی ہے مغتنم

رہتے کہاں ہیں اور ہیں اب کس شہر میں ہم
کیا دوستو مالک کا یہ ہم پر نہیں کرم

آنسو ہمارے خونِ جگر سے ہوئے بہم
یہ سجدۂ زمین ہے یا ہیں فلک پہ ہم

پھر مسجدِ نبوی کی زیارت کا شرف ہے
پھر گنبدِ خضرا سے منوّر ہوئے ہیں ہم

اختؔر یہ دوستو ہے خُدا کا بڑا کرم
ہر سانس پہ رحمت ہے اور کیسے ہیں یہ نعَم

نالۂ غمناک در یادِ مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

یہ کس کا جنازہ لے کر ہم پاپوشؔ نگر کو جاتے ہیں
یہ کس کی جُدائی سے زخمی ہم قلب و جگر کو پاتے ہیں

کِس رشکِ قمر کو دَفنانے ہم دل کو سنبھالے جاتے ہیں
سینوں سے کلیجے خوں ہو کر کیوں مُنہ کو ہمارے آتے ہیں

لمحات گذشتہ صحبت کے جب دل کو مرے یاد آتے ہیں
اِک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے اور نالے فلک تک جاتے ہیں

صحبت میں تمہاری اے مرشد! اِک عُمر ہماری گذری ہے
اب آج ہمارے وہ لمحے یاد آکے ہمیں تڑپاتے ہیں

الطاف تمہاری صحبت کے اب آہ کہاں ہم پائیں گے
دُنیا ہی اندھیری ہے ہم کو گھبرا کے جدھر بھی جاتے ہیں

اِک دن وہ ہمارا تھا اخترؔ صحبت میں ہم ان کی رہتے تھے
اب آہ جُدائی کے غم میں آنکھوں سے لہو برساتے ہیں

لے پاپوش نگر کے قبرستان میں بالکل صدر دروازہ کے پاس جنوبی جانب حضرت والا مدفون ہیں اور ساتھ ہی مولانا شبیر علی صاحب مرحوم حضرت شیخ تھانوی علیہ الرحمۃ کے بھتیجے شرقی جانب مدفون ہیں اور اسی احاطہ میں جنوبی جانب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ اور حضرت والدہ صاحبہ اور حفیظ اللہ لاری مرحوم مدفون ہیں

(محمد اختر)

نالۂ غم بہ یادِ حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

مرا جانِ بہاراں سو گیا مرقد میں جب اے دل
بھلا اب تا قیامت کیا بہارِ وصل آئے گی

مرے محبوب مُرشد تم کو کیا ہم بھول جائیں گے؟
ہماری جاں تمہاری یاد میں آنسو بہائے گی

ذرا سی دیر کو تیری توجّہ تام ہو جائے
مری جاں دردِ مہجوری کا افسانہ سُنائے گی

تمہارے لُطف کی باتیں ہمیں سب یاد آتی ہیں
جُدائی تیری اختؔر کو قیامت تک رُلائے گی

یادِ ایّامی

یعنی حضرت شیخ پھولپوری کی خدمت میں گذرے ہوئے احقر کے سولہ سال
اور حضرتِ والا کی یاد میں احقر کی آہ وفغاں　　　محمد اختر عفا اللہ عنہ

شیخِ کامل کی مجھے تھی جستجو　　تا نہ دھوکہ دے جہانِ رنگ و بو
آخرش وہ شاہِ کامل مل گیا　　چرخِ دل کا ماہِ کامل مل گیا
سینہ بریاں چشمِ گریاں آہ سرد　　تھا سراپا عشقِ حق وہ پیر مرد
ہر بُنِ مُو سے محبت کا ظہور　　چشم تھی غمّازِ عشقِ ناصبور
فرش پر ذاکر تھی اس کی خاکِ تن　　رُوح اس کی عرش پر جلوہ فگن
نعرہ ہائے لا احب الآفلیں　　کر رہا تھا دمبدم وہ شیخِ دیں
جسم اس کا زائرِ کوئے حرم　　جان اس کی محرمِ جانِ حرم
جان اس کی تھی ورائے آسماں　　خاکِ تن کا تھا خدا ہی نگہباں

عشق سے اس کا گریباں چاک تھا ‏ ‏ ‏ ذکر اس کا نالۂ غمناک تھا

رات کو پچھلے پہر وہ شاہِ دیں ‏ ‏ ‏ اشک ہائے خوں سے تر کرتا زمیں

سجدہ گاہِ عاشقانِ ربِّ دیں ‏ ‏ ‏ مثل سجدہ گاہ عامہ کے نہیں

سر گروہِ شاہبازِ حق سے تھا ‏ ‏ ‏ سر بُریدہ تیغِ عشقِ حق سے تھا

ترک کر کے درسِ منطق فلسفہ ‏ ‏ ‏ دے رہا تھا درسِ چرخ و زلزلہ

تھا وہ عاشق بر فنِ دیوانگی ‏ ‏ ‏ سیر تھا از عقل و از فرزانگی

مَیں نے سمجھا قیس تنہا ہے یہاں ‏ ‏ ‏ بیٹھ جا تو بھی اسی دَر پر یہاں

الغرض اخترؔ وہیں رہنے لگا

لطف جینے کا وہیں ملنے لگا

حضرت شیخ پھولپوری کی شانِ عاشقانہ

یاد آتی ہے مجھے جب پھولپوری زندگی
پا رہا تھا جب کہ میں درسِ نیاز و بندگی

ذرّہ ذرّہ سے ملا کرتا تھا درس سادگی
ایک فرزانہ سکھاتا تھا مجھے دیوانگی

حضرتِ عبدالغنی سرمستِ عشقِ کبریا
ماسوا حق سے جنہیں تھی عمر بھر بیگانگی

کیا وہ عاشق تھے ؟ نہیں بلکہ سراپا عشق تھے
پی کے دریا بھی جنہیں ہوتی نہ تھی آسودگی

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ
دیکھیں گے کبھی شوق سے مکّہ و مدینہ

گو عِشق کا موجود ہے ہر دِل میں دفینہ
مِلتا نہیں لیکن کبھی بے خُون و پسینہ

اللہ رے یہ جوشِ محبّت کی بہاریں
اِک آگ کا دریا سا لگے ہے مرا سینہ

اے اشکِ ندامت میں ترے فیض پہ قُرباں
برسا ہے جو عاصی پہ یہ رحمت کا خزینہ

ہے شرط کسی اہلِ محبّت کی توجہ
مِلتا نہیں ورنہ یہ محبّت کا نگینہ

مانا کہ مصائب ہیں رہِ عشق میں اخترؔ
پر ان کے کرم سے جو اترتا ہے سکینہ

لذّتِ درد بے مثال ہے آج

حضرت پھُولپوری قدس سرہ العزیز کے ہمراہ کانپور محلہ کرنیل گنج بمکان جناب حاجی سلام الدین صاحب سنہ ۱۹۵۹ء کے زمانۂ قیام میں یہ اشعار ہُوتے تھے اور میرے ایک دوست حاجی عبد الرؤف صاحب میرے ان اشعار کو مجلسِ احباب میں سُنایا کرتے تھے کبھی کبھی حضرت مُرشدی پھُولپوری قدس سرہ العزیز بھی اس مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ تقریباً یہ تمام اشعار حضرتِ والا قدس سرہ کے سُنے ہُوئے ہیں اور سُنتے وقت حضرتِ والا پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

لذّتِ ہجر کو ملال ہے آج ― دولتِ قرب لازوال ہے آج

گوہرِ اشکِ غم گرے ہیں کہیں ― مُشتری ان کا ذوالجلال ہے آج

عِشق کی بارگاہ میں زاہد[1] ― دم بخود تیرا قیل و قال ہے آج

نیم جاں عشق نے کیا لیکن ― ہاتھ میں قربِ لازوال ہے آج

آج اختر پہ مہرباں ہے کوئی
لذّتِ درد بے مثال ہے آج

[1] یہ شعر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لطفِ سر دینے میں ہے جاں باز کو

لطف سر دینے میں ہے جاں باز کو
کب ہوس اس کی ہے حیلہ ساز کو

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اِک ترا غم ہے ترے ناساز کو

عِشق تو انجام کو پہنچے گا کب
ایک مدّت ہوگئی آغاز کو

دردِ دِل جو اور بھی افزوں کرے
ڈھونڈتا ہوں ایسے چارہ ساز کو

تیری خاموشی لیے ہے فکرِ دوست
کون سمجھے گا ترے اِس راز کو

تیر کھانے کا مزہ پا کر کے عشق
ڈھونڈتا پھرتا ہے تیر انداز کو

عشق تُو رکھ دے مرے دل میں قدم
چُوم لوں میں تیرے پائے ناز کو

خاک سے پہنچے اُڑ کے تا عرشِ بریں
کچھ نہ پوچھو عشق کی پرواز کو

آہ جس میں ذوقِ جاں بازی نہ ہو
چھوڑ اختر ایسے ہر دل باز کو

ترا ذرّہ غم اگر ہاتھ آئے

جو وسعت میں ارض و سما کے نہ آئے
کرم ہے مرے دل کو مسکن بنائے
اگر صاحبِ عرش جلوہ دکھائے
تو سینے میں پھر کون دل اپنا پائے
مَیں ان کی خلش میں ہوں اب محوِ لذّت
جو چاہے وہ اَب میری محفل میں آئے
وہ غم جس پہ قُربان ہوں دونوں عالم
وہی چاہتا ہوں وہی ہاتھ آئے
نہ چھیڑو کسی غم کے مارے ہوئے کو
دُکھے دل کو ناحق کوئی کیوں ستائے
ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
ترا ذرّۂ غم اگر ہاتھ آئے

مرا وقت کیا آگیا واپسی کا
یہ کس نے تجلّی کے پردے اُٹھائے

رہِ عشق میں خاک بن کر کے آؤ
وہ محروم ہے جو یہاں سر اُٹھائے

جسے چاہیے ملکِ عشقِ حقیقی
کسی اہلِ دِل سے وہ دل کو لگائے

عجب کیا کہ آئے کبھی وقت ایسا
کرم اُن کو اک دن مرے پاس لائے

یہ گُل اور بُلبُل کے قصّے نہیں ہیں
مری آہِ دل ہے یقیں جس کو آئے

تپِ عشق سے جب تجھے آگہی تھی
مری رگ میں کیوں تو نے نشتر لگائے

ترے غم کی طالب ہے پروانہ فطرت
مگس کو مگر یہ کہاں راس آئے

عجب درد میں اُن کے لذّت ہے اختر
مبارک جسے اُن کا غم ہاتھ آئے

مرے آنسو ہیں یہ شبنم نہیں ہے

بوقتِ صبح جو تم دیکھتے ہو — مرے آنسو ہیں یہ شبنم نہیں ہے
بحمد اللہ کہ ہاتھ آئی حضوری — مری اب صبح شامِ غم نہیں ہے
بروحِ پاک آں زرِ مے چشیدم — مرا یہ غم فریبِ غم نہیں ہے
نہ ہو گر قلبِ مضطر اشکِ پیہم — محض دعویٰ نشانِ غم نہیں ہے
نہ ٹپکے ہوں جہاں آنسو لہو کے — یقیناً غم وہ میرا غم نہیں ہے
غمِ محبوب ہے جانِ مسرّت — یہ غم کوئی غمِ درہم نہیں ہے
جنونِ جام بدنامِ محبّت — نظامِ عشق بے ہنگم نہیں ہے
مری عزّت ہے قربانِ محبّت — مجھے بدنامیوں کا غم نہیں ہے
تو کیا جانے فغانِ سحر گاہی — تو اے زاہد اسیرِ غم نہیں ہے
کہیں قسمت سے ملتی ہے یہ دولت — نصیبِ دشمناں یہ غم نہیں ہے
بعشقِ پاک روحِ پاکِ عارف — ملائک سے شرف میں کم نہیں ہے
سرِ میداں کفن بردوش دارم — مجھے اختر صلہ یہ کم نہیں ہے

ہوش کے میرے پرزے اُڑا دے

یا تو جلوے سے پردہ اُٹھا دے
یا تو پردے کو جلوہ بنا دے

حُسن کا کوئی پردہ اُٹھا دے
سارے عالم کو مجنوں بنا دے

ہوش کے میرے پُرزے اُڑا دے
اپنا دیوانہ مجھ کو بنا دے

اشک میں خونِ دل بھی مِلا دے
سوزِ دل کا اثر اب دِکھا دے

یا قَفَس سے مجھے اب رِہا کر
یا قَفَس ہی کو گلشن بنا دے

آ کے حُسنِ دو عالَم زمیں پر
ظلمتِ دہر کو جگمگا دے

دِل کی حسرت سے ہو دِل نہ مُضطر
جامِ تسلیم کامل پِلا دے

میری مٹی کو کر دے سوارت
عِشق اب تو مرا خوں بہا دے

اخترؔ تشنہ لب کو الٰہی
عِشق کا اِک سمندر پِلا دے

احترازِ شکوۂ یار
و
تعلیمِ رضا و تسلیم

شکوۂ یار عشق میں ہرگز کبھی رَوا نہیں
اُن کی ہر اِک ادا کبھی میرے لیے جفا نہیں

ظاہر میں گو بلا سہی لیکن کرم لیے ہوئے
جِس میں ہماری مصلحت مضمر ہے وہ سزا نہیں

بندوں کا عشق ناتمام ہوتا نہیں ہے آہ تام
نفس کی مرضیات کا جب تک کہ خوں ہُوا نہیں

اُن کی مُراد ہے اگر میری یہ نامُرادیاں
اُن کی رضا ہی چاہیئے میری تو کچھ صدا نہیں

تجھ کو جو ہو پسند اب مجھ کو بھی ہو وہی عزیز
لے کے کریں گے کیا اُسے جس میں تری رضا نہیں

تیرا جو دردِ دل میں ہے یارب ہے یہ تری عطا
رہتا ہے تجھ سے بے خبر جس پر تری عطا نہیں

نالۂ ہجر پر مرے زاہد نہ ہو تو خندہ زن
عِشق کے درد سے تجھے پالا ابھی پڑا نہیں

جس کو گرا ہوا تو دیکھ دُنیا کے مال و زر پہ آہ
اختؔر سمجھ کہ عِشقِ حق اُس کو ابھی مِلا نہیں

ترغیبِ عمل برائے شعرائے بے عمل

دُنیائے دُوں ہے خوابِ پریشاں لیے ہُوئے
سرمستِ عشق ہے غمِ جاناں لیے ہُوئے

حاضر ہوں سر بکف سرِ میداں لیے ہُوئے
ہر رگ ہے جوشِ خونِ شہیداں لیے ہُوئے

پروانۂ اُلفت تو جلے شمع پہ لیکن
جلتی ہے شمع آہِ غریباں لیے ہُوئے

برباد زندگی جو تھی عِشقِ مجاز میں
آئی ہے موت مُژدۂ حرماں لیے ہُوئے

معلوم ہوگی عارض و گیسُو کی حقیقت
ناداں مگن ہیں خارِ مُغیلاں لیے ہُوئے

غافل ہے آخرت سے اگر خبطِ شاعری
بے کار خوش ہیں داد کا ساماں لیے ہوئے

قرآں میں اجازت ہے اگر شعر و سخن کی
اعمالِ نیک، ذکر اور ایماں لیے ہوئے

کوئی بھی ہو جو سیرتِ نبوی سے دُور ہو
اِک جانور ہے صورتِ اِنساں لیے ہوئے

دھوکہ نہ دے کہیں مجھے دُنیائے بے ثبات
آئی خزاں ہے رنگِ بہاراں لیے ہوئے

احساسِ سخت کوشیٔ الفاظ ہیچ ہے
جب تک نہ ہو عمل کا بھی پیماں لیے ہوئے

مدِّ نظر ہے شاعری اخترؔ نہیں مجھے
کہتا ہوں میں ہدایتِ قرآں لیے ہوئے

کل خونِ شہادت میں لتھڑا یہ جسم نہیں دکھلائیں گے

اب عشق میں اُن کی خاطر ہم آنکھوں سے لہو برسائیں گے
جب دل سے اُنہیں ہم چاہیں گے وہ خود ہی کرم فرمائیں گے

مخلوق ہے ادنیٰ سا سورج جب اُس کو نہیں ہم دیکھ سکے
پھر خالقِ عالم کا جلوہ دُنیا میں بھلا کیا پائیں گے

آتا ہے مجھے نالوں میں مزا، اے زاہدِ ناداں طنز نہ کر
جب عشق ہے ان کا دل میں مرے پھر کیوں نہ مجھے تڑپائیں گے

کیوں آہ میں کچھ تاثیر نہیں کیا عِشق کا دل میں تیر نہیں
جب نُور نہیں خود ہی دل میں منبر پہ وہ کیا برسائیں گے

جائیں گی کبھی آہیں دل کی، بالائے فلک تا عرشِ بریں
یہ دردِ محبّت کے نالے کچھ رنگ تو اپنا لائیں گے

جب شمعِ محبت دل میں لیے محفل میں ہو کوئی صاحبِ دل
پھر عشقِ خدا کے پروانے خود اُڑ کے وہاں آجائیں گے

بُلبُل کو نہ تُو کر اے ناداں پابندِ سُکُوت و خاموشی
جب اس کو چمن یاد آئے گا نالے بھی لبوں تک آئیں گے

تم لاش کو میری غسل نہ دو، بس خون میں لتھڑی رہنے دو
کل خونِ شہادت میں لتھڑا یہ جسم انہیں دکھلائیں گے

اختر کو جو تو نے دولتِ غم بخشی ہے بفیضِ پیرِ ہُدیٰ
امید ہے تجھ سے بارِ خدا اِس درد کا درماں پائیں گے

لے اس شعر پر حضرت والا پھولپوری قدس سرہٗ العزیز پر بے ساختہ گریہ طاری ہوجاتا تھا۔ حضرتِ والا کی اس شعر سے عجیب کیفیت ہوجاتی تھی، جیسے پردیس میں کسی کو اس کا وطنِ محبوب یاد دلا دیا جائے۔

باز گو از نجد و ز یارانِ نجد تا در و دیوار را آری بوجد
رُومیؒ

اصلاح کا آسان نسخہ

مجوزہ حکیم الامّت مُجدد الملّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ نظم حکیم الاُمّت مولانا تھانوی نور اللہ مَرقدہٗ کے وعظ "ملّتِ ابراہیم" صفحہ ۴۸ کا چربہ ہے جو کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے، حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو تھانہ بھون میں موصول ہُوا اسی وقت حضرتِ والا نے احقر کو حکم دیا کہ اسے نظم کر ڈالو۔ حضرتِ والا نے اور دوسرے اکابر نے اس نظم کو بہت پسند فرمایا، اس لیے ہدیۂ ناظرین ہے۔ محمّد اختر عفی عنہ

مخاطب ہے میرا وہ گُم کردہ راہ
جسے یاس نے کر دیا ہو تباہ

جسے آہ! ہمّت دَوا کی نہ ہو
سکت جس میں پرہیز کی بھی نہ ہو

وہ مایوس بندہ یہ مُژدہ سُنے
بڑے عارفِ حق کا نسخہ سُنے

وہ جو تھے مجدّد و غوثِ زماں
وہ تھانہ بھون کے حکیمِ جہاں

رہے عشقِ حق میں شب و روز مست
ہمیشہ رہا نبضِ اُمّت پہ دست

ہُوا ہر گرفتارِ آزارِ سخت
تری صحبتِ پاک سے نیک بخت

جنہیں رات دن فکرِ ملّت کی تھی
بڑی فکر اصلاحِ اُمّت کی تھی

وہ مولائے اشرف علی شاہِ دیں
دکھاتے رہے عُمر بھر راہِ دیں

انہی کا یہ نسخہ ہے اِصلاح کا
خدا سے فقط ہے وہ الحاح کا

ہے نسخہ بہت سہل و آسان سا
کرے نفسِ بد کو جو بے جان سا

وضو کر کے دو رکعتیں تم پڑھو
نیت اس میں توبہ کی پہلے کرو

دُعا کے لیے ہاتھ کو پھر اُٹھا
خُدا سے تو رو کر کرے التجا

الٰہی گنہ گار بندہ ہوں مَیں
سراپا بُرا اور گندہ ہوں مَیں

بہت سخت مجرم کمینہ ہوں مَیں
گناہوں کا گویا خزینہ ہوں مَیں

نہ قوّت گناہوں سے بچنے کی ہے
نہ ہمّت عمل نیک کرنے کی ہے

ترا ہو ارادہ اگر اے کریم
تو ہو پاک پل میں یہ بندہ لئیم

تو ہی غیب سے کوئی سامان کر
گناہوں سے بچنے کو آسان کر

ارادے مرے نیک اعمال کے
حوالے ہوئے نفس کی چال کے

اگر تیری توفیق ہو چارہ گر
تو پھر نفس و شیطاں سے کیا مجھ کو ڈر

مَیں بندہ ترا ہوں محض نام کا
بنا دے کرم سے مجھے کام کا

تلوّن مزاجی مری ختم کر
مرے عزم کو تو عطا جزم کر

عطا کر مجھے ذرّہ دردِ دل
ترا درد ہو جائے یہ آب و گل

رہِ غیب سے کر مری رہبری
تری بندگی سے ہو عزّت مری

دِکھا غیب سے مجھ کو راہِ نجات
پِلا اپنے مُردے کو آبِ حیات

کرم سے خطاؤں کو تو عفو کر
گناہوں کے انبار کو محو کر

یقیناً گُنہ مجھ سے ہوں گے ضرور
کرا لوں گا پھر عفو اپنا قصور

غرض روز اس طرح اقرار ہو
ندامت کا ہر روز اظہار ہو

عجب کیا بہت جلد ان کا کرم
ہدایت کا سامان کر دے بہم

وہ کر دے تجھے پاک ہر عیب سے
ہو نصرت تری پردۂ غیب سے

نہ بٹہ لگے گا تری شان میں
نہ فرق آئے گا کچھ تری آن میں

اگر جسم تیرا ذرا ہو علیل
حکیموں کی سُنتا ہے تو بے دلیل

دوا تلخ سے تلخ پیتا ہے تو — خوشامد طبیبوں کی کرتا ہے تو

مداوائے تن میں تو تو چُست ہے — مگر فکرِ ایماں میں کیوں سُست ہے

تری عقل دُنیا میں کیا کر گئی — مگر دین میں وہ کہاں مر گئی

نہ خود اپنی جو فکرِ درماں کرے — خُدا کیا ہدایت کو چسپاں کرے

بڑے شرم کی بات ہے دوستو — کہ اتنی بھی ہمّت نہ تم کر سکو

اگر یونہی غفلت میں گذری حیات — نتیجہ بُرا ہو گا بعد الممات

ہو سہل اِس سے صورت کوئی آہ کیا
بھلا اِس سے آسان ہو راہ کیا

زبانِ عشق

درِ رازِ شریعت کھولتی ہے
زبانِ عشق جب کچھ بولتی ہے

خِرد ہے محوِ حیرت اُس زباں سے
بیاں کرتی ہے جو آہ و فغاں سے

جو لفظوں سے ہوئے ظاہر معانی
وہ پا سکتے نہیں دردِ نہانی

لُغت تعبیر کرتی ہے معانی
محبّت دل کی کہتی ہے کہانی

کہاں پاؤ گے صدرا بازغہ میں
نہاں جو غم ہے دل کے حاشیہ میں

مگر دولت یہ ملتی ہے کہاں سے
بتاؤں مَیں ملے گی یہ جہاں سے

یہ ملتی ہے خُدا کے عاشقوں سے
دُعاؤں سے اور انکی صحبتوں سے

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

ارے یارو جو خالق ہو شکر کا
جمالِ شمس کا نُورِ قمر کا

نہ لذّت پوچھ پھر ذکرِ خُدا کی
حلاوت نامِ پاکِ کبریا کی

"بگویدزیں سبب ایں عشق بے باک
چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"

یہ دولت دردِ اہلِ دل کی اختؔر
خُدا بخشے جسے اُس کا مقدر

نہیں اُٹھتی ہے تیرے سنگِ در سے اب جبیں ساقی

کِسی کی یاد میں ہے مضطرب جانِ حزیں ساقی
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں ساقی

توجہ تیری مجھ پر تام شاید ہو گئی ہے اب
خَلش دل سے جو اِک پَل کو بھی اب جاتی نہیں ساقی

عجب لذت تری آغوشِ رحمت میں ملی دل کو
نہیں اُٹھتی ہے تیرے سنگِ در سے اب جبیں ساقی

دِکھا دوں تجھ کو اپنے عشق و مستی کا ابھی عالَم
تُو پہلے ہاتھ پر رکھ دے شرابِ آتشیں ساقی

پلائی تو نے جو مے شبلی و عطار و رومی کو
مرے حصّے میں دُردِ جام بھی کیا اب نہیں ساقی

بفیضِ عشق تیری یاد میں یہ حال ہے دل کا
مرے اشکوں سے تر ہے آج تیری سرزمیں ساقی

مقامِ قرب کی لذت اگر کر دے عیاں دل پر
مجھے پھر منّ و سلویٰ ہو مری نانِ جویں ساقی

عبث کرتا ہے ناصح مجھ کو تعلیمِ جہاں داری
مجھے جب ہوش اپنا ہی یہاں باقی نہیں ساقی

کہاں اختؔر کہاں یہ ذکرِ جام و ساغر و مینا
کرم ہے تیرا ورنہ میں کسی لائق نہیں ساقی

بتا دے ترے در سے جائیں کہاں ہم

رہیں کب تلک وقفِ جورِ بتاں ہم
کریں کفر کو دل میں کب تک نہاں ہم

کسی بت کو گر دیکھ لیں ناگہاں ہم
نظر دوسری پھر نہ ڈالیں وہاں ہم

نہ ہوں ان بتوں سے کبھی شادماں ہم
رہیں ذکر سے تیرے مسرورِ جاں ہم

نہ چھوڑیں کبھی اب ترا آستاں ہم
ترے سنگِ در کے رہیں رازداں ہم

کہیں گر نہ تجھ سے مرے مہرباں ہم
بتا دے ترے در سے جائیں کہاں ہم

دکھائیں گے کیا منہ الٰہی وہاں ہم
اگر عمر ضائع کریں گے یہاں ہم

کہاں تک کریں ہائے ضبطِ فغاں ہم
سنائیں گے اب درد کی داستاں ہم

سنی اپنی ہی داستاں جیسے ہم نے
گئے جس طرف ہو کے گذرے جہاں ہم

عجب کیا دکھائے ہمیں عشق وہ دن
تجھے دل نشیں پائیں اے جانِ جاں ہم

قدم رکھیں ہرگز نہ راہِ صنم میں
پہن لیں اگر ضبط کی بیڑیاں ہم

جو ساحل پہ ہے کیا خبر اس کو زاہد
کہ ڈوبے کہاں اور نکلے کہاں ہم

کرامت اگر عشق دکھلا دے اخترؔ
بیک جذب پہنچیں گے تا جانِ جاں ہم

کلامِ عبرتناک برائے عشقِ ہوسناک

وہ زُلفِ فتنہ گر جو فتنہ ساماں تھی جوانی میں

دُمِ خَر بن گئی پیری سے وہ اِس دارِ فانی میں

جو غمزہ شہرۂ آفاق تھا کل خوں فشانی میں

وہی عاجز ہے پیری سے خود اپنی پاسبانی میں

سنبھل کر رکھ قدم اے دل بہارِ حُسنِ فانی میں

ہزاروں کشتیوں کا خون ہے بحرِ جوانی میں

ہماری موتِ روحانی ہے عشقِ حُسنِ فانی میں

حیاتِ جاوداں مضمر ہے دِل کی نگہبانی میں

جو عارض آہ رشکِ صد گلستاں تھا جوانی میں

وہ پیری سے ہے ننگِ صد خزاں اس باغِ فانی میں

جو ابرو اور مژگاں قتل گاہِ عاشقاں تھے کل
وہ پیری سے ہیں اب مژگانِ خر کیچڑ روانی میں
وہ جانِ حُسن جو تھا حکمراں کل بادشاہوں پہ
ہے پیری سے بغاوت آج اس کی حکمرانی میں
محبّت بندۂ بے دام تھی جس رُوئے تاباں کی
زوالِ حُسن سے نادم ہے اپنی جاں فشانی میں
وہ نازِ حُسن جو تھا زینتِ شعر و سخن کل تک
وہ اب پیری سے ہے محصور کیوں پیشہ دوانی میں
کہاں کا پردۂ محمل کہاں کی آہِ مہجوری
وہ بُت پیری سے رُسوا ہے غبارِ شُتربانی میں
شبابِ حُسن کی رعنائیاں صُبحِ گلستاں ہے
مگر انجامِ گلشن دیکھ شامِ باغبانی میں

وہ جانِ نغمۂ عُشّاق اور جانِ غزل گوئی

ہے پیری سے گُل افسردہ بہارِ شعر خوانی میں

ہزاروں حُسن کے پیکر لحد میں دفن ہوتے ہیں

مگر عُشّاقِ ناداں مُبتلا ہیں خوش گُمانی میں

اگر ہے عشقِ تو بس عشقِ حَیِّ لَا یَزَل باقی

محبّت عارضی ہوتی ہے عشقِ حُسنِ فانی میں

نہ کھا دھوکہ کسی رنگینیٔ عالَم سے اے اخترؔ

محبّت خالقِ عالَم سے رکھ اس دارِ فانی میں

گلشن میں بھی ہوں نالۂ صحرا لیے ہوئے

ہر شعر مرا غم ہے تمہارا لیے ہوئے
اور دردِ محبّت کا اشارا لیے ہوئے

ارض و سما سے غم جو اُٹھایا نہ جا سکا
وہ غم تمہارا دل ہے ہمارا لیے ہوئے

کیا عشق کا یہ دوستو اعجاز نہیں ہے
گُلشن میں بھی ہوں نالۂ صحرا لیے ہوئے

ایذائے خلق نے کیا خالق سے بھی قریب
فریاد کا ہر لمحہ سہارا لیے ہوئے

یہ دل ہے اُن کے درد کا مارا اے دوستو!
سینے میں محبّت کا مِنارا لیے ہوئے

عارف کا ہر سکوت ہے پیغامِ محبّت
اور ان کی تجلّی کا نظارا لیے ہوئے

اختؔر زمیں پہ اس طرح رہنے کی فکر کر
اپنے خدا کے غم کو خدا را لیے ہوئے

کنارِ آب تڑپتی ہوئی میں ماہی ہوں

ترے بغیر سراپا پلید و واہی ہوں
ترا کرم ہو تو بے شک مَیں بازِ شاہی ہوں

قفس میں بند ہوں اور سامنے گلستاں ہے
کنارِ آب تڑپتی ہوئی مَیں ماہی ہوں

تمام عُمر تڑپنے میں گو کٹی لیکن
اُمید ہے کہ اِسی راہ سے مَیں ناجی ہوں

زمین تنگ ہے اور تلخ ہیں مرے لمحات
جو خوش ہیں آپ تو ہر حال میں مَیں راضی ہوں

مرے کریم مرا نفس مجھ پہ غالب ہے
ترے حضور میں اس نفس سے میں شاکی ہوں

ترے کرم سے مجھے بس دُعا کی ہے توفیق
ترے کرم سے ترے در کا میں بھکاری ہوں

نہیں ہے پاس علامت کوئی محبّت کی
مگر ہر ایک کو تیری طرف میں داعی ہوں

اُمید ہے کہ کبھی فضلِ خاص ہو اختر
مَیں اُن کی راہ میں گو سُست گام راہی ہوں

مرے دل سے مگر آہِ بیابانی نہیں جاتی

جوانی ڈھل گئی لیکن کرامت روح کی دیکھو
کہ اُس ظالم کے چہرہ سے وہ تابانی نہیں جاتی

مجھے گو دیکھتے ہو دوستو تم صحنِ گلشن میں
مرے دل سے مگر آہِ بیابانی نہیں جاتی

ہزاروں سال سے سر پر نہیں ہے تاجِ سُلطانی
مرے سر سے مگر شانِ جہاں بانی نہیں جاتی

بچایا نفس کو میں نے بُتانِ مُردہ سے لیکن
کمینے کی مگر وہ خوئے زاغانی نہیں جاتی

خِرَد کرتی ہے سامانِ رفو میرے گریباں کا
مگر اختر کی یہ چاکِ گریبانی نہیں جاتی

دورِ پیری

سفیدی بال کی سمجھا رہی ہے ۔۔۔ کہ منزل رخصتی کی آرہی ہے
کالی گھٹا برس گئی، بادل سفید ہوگئے ۔۔۔ یعنی شباب چل بسا، پیری کا دور آگیا

نہ جایا کرو تم مجھے چھوڑ کر

راقم الحروف احقر میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتا ہے کہ بوجہ ملازمت احقر روزانہ بادلِ ناخواستہ اسٹیل مل جاتا تھا۔ ایک دن شام کو واپس ہُوا تو احقر کو دیکھتے ہی میرے شیخ سراپا لطف و کرم نے فی البدیہہ یہ اشعار فرمائے اور کیا بتاؤں کہ احقر کے افسردہ دل کو خوشیوں کی کیا سلطنت عطا کر دی۔

نہ جایا کرو تم مجھے چھوڑ کر
یہ جانا ہے عہدِ وفا توڑ کر

اگر تم ہُوئے میر مجھ سے جُدا
تو اُلفت مری دے گی تم کو سزا

کبھی میر کھا کے فریبِ بہار
وہ دہلی سے جاتے ہیں سُوئے بہار[۱]

مگر دل میں پاتے نہیں جب قرار
تو لاتا ہے واپس اُنہیں اضطرار

گناہوں کی لذّت میں ذلّت ہے میر
سیادت کی عزّت پہ لعنت ہے میر

وہ صورت ہے لگتا ہے گو بایزید
نہ کر کام جس پر ہے مارِ حدید

کراچی - ۱۹ / ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۹ / اگست ۱۹۸۳ء

[۱] مُراد راہِ نامرضیِ حق ہے۔

ملا غیب سے میر کو جام و مینا

یہ اشعار ۱۹۹۲؁ء میں پارشس کے سفر کے دوران حضرتِ والا دامت برکاتہم نے اپنے قلم سے اپنے خلیفہ جناب عبدُالعزیز سوجی صاحب کی ڈائری میں تحریر فرمائے حضرتِ والا کے الطاف و کرم جو احقر پر ہیں اگر احقر سراپا شکر بن جائے تو بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے جو اُس محفل میں ہے بس یہی کہتا ہوں ؎
مُجھ پہ یہ لُطفِ فراواں میں تو اِس قابل نہ تھا۔ (میر عفی عنہ)

شروع کر دیا پیر کے پاس جینا
ملا غیب سے میر کو جام و مینا

جو ساقی کے گھر میں ملا اُس کو جینا
تو وہ بھُول بیٹھا ہے اپنا نگینہ

سبُو اور خُم پی کے دکھلا دے سب کو
دو اِک جام ہے کوئی پینے میں پینا

بُتوں کی محبّت کو تم بھُول جاؤ
یہ جینے کا ہے سب سے بہتر قرینہ

تو پا جائے گا میر ہمّت ذرا کر
ترے دل میں نسبت کا جو ہے خزینہ

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں — تجھ پہ رحمت کرے خالِق دوجہاں
بجلیوں سے بچاتا ہے ربِّ جہاں — ایک تدبیرِ کمزور ہے آشیاں
چشمِ تر خوں فشاں آہ سُوئے سماں — ہیں مرے دردِ دل کے یہ سب ترجماں
کیا یہ شمس و قمر یہ زمیں آسماں — اپنے خالق کا دیتے نہیں ہیں نشاں
کیا جہاں میں نمودار خود ہو گئے؟ — ہر وجود اپنے موجد کا خود ہے نشاں
ہستی انساں کی خالق پہ شاہد ہے خود — تیرے اندر ہے وہ خالِق دوجہاں
ہو کے مخلوق خالق کا منکر بنے — اس حماقت پہ ہے لعنتِ دوجہاں

یہ صدا سُن لو اخترؔ کی اے دوستو
خالِقِ جاں پہ کر دو فدا اپنی جاں

(ری یونین - ۲۴؍ ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ، ۱۲؍ ستمبر ۱۹۹۴ء)

مقامِ اہلِ دل کو آہ کب ناداں سمجھتے ہیں

دلِ گریاں ہے سینے میں تو کیوں خنداں سمجھتے ہیں
مقامِ اہلِ دل کو آہ کب ناداں سمجھتے ہیں

کرے جو یاد کو تازہ اُڑا دے خوابِ غفلت کو
تو ایسے درد کو ہم حاصلِ درماں سمجھتے ہیں

جو گلشن میں بھی رہ کے آہ محرومِ گلستاں ہے
تو اس کے دل میں عشقِ خار کو پنہاں سمجھتے ہیں

وفاداری کرے جو پیش اپنے خونِ ارماں سے
تو اُس کے قلب کو خورشید سے تاباں سمجھتے ہیں

گناہوں میں تو ذلّت اور رُسوائی کا خطرہ ہے
مگر تقویٰ کی نعمت کو تو ہم آساں سمجھتے ہیں

گناہوں پر ندامت اشکباری آہ و زاری ہو
تو اپنی مغفرت کا اس کو ہم ساماں سمجھتے ہیں

خوشی کو چھوڑ دے اپنی اگر ہو ناخوشی اُن کی
تو اِس ہمّت کو اختر ہمّتِ شیراں سمجھتے ہیں

اختؔر وہ معترض مجھے ناداں نظر آیا

جو اپنی جوانی میں گلستاں نظر آیا
پیری میں مجھے آج بیاباں نظر آیا

ہر شخص ہی حیران و پریشاں نظر آیا
دیوانۂ حق بس مجھے خنداں نظر آیا

چہرہ سے جب آثارِ ملاحت فنا ہوئے
وہ پھول مجھے خارِ مُغیلاں نظر آیا

تھا چاند کی مانند کبھی چہرۂ روشن
مدّت کے بعد نادمِ زاغاں نظر آیا

موجِ فنا میں اس کی روانی نہیں رہی
دریائے محبّت میں جو طوفاں نظر آیا

تالاب ہے وہی مگر پانی بدل گیا
جو اُس سے تھا فرحاں کبھی گریاں نظر آیا

چھایا ہے دِل پہ جب سے تری یاد کا عالم
ہر ذرّہ مجھے منزلِ جاناں نظر آیا

مقصد ہمارا شعر سے ہے پندِ سُود مند
اختؔر وہ معترض مجھے ناداں نظر آیا

نئی یونین ۲۶ ر ربیع اوّل ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۹۳ء بروز منگل

وہ لوگ جن کو زمیں پہ رہے آسماں رہے

جو اِس جہاں میں عارفِ ربِّ جہاں رہے
وہ عارفین رُوکشِ عشقِ بُتاں رہے

سینوں میں لیے جو بھی غمِ جاوداں رہے
دُنیا میں وہی تارکِ عشقِ بُتاں رہے

قسمت سے جو محفوظِ غمِ مُردگاں رہے
زندوں میں وہی لوگ شہِ زندگاں رہے

پرواز میں جو لوگ رہے سُوئے آسماں
وہ لوگ جن زمیں پہ رہے آسماں رہے

ظاہر میں بعض اہلِ دِل گو بے زباں رہے
باطن میں مگر حاملِ صد داستاں رہے

وہ اپنے رب کی راہ میں قطبِ زماں رہے
ہر وقت اپنے نفس کے جو پاسباں رہے

جو بھی مئے توحید سے سرشارِ جاں رہے
وہ بزمِ کائنات میں رشکِ شہاں رہے

خالق کے ساتھ جو بھی بصد قلب و جاں رہے
اختر ہمیشہ بزم میں وہ شادماں رہے
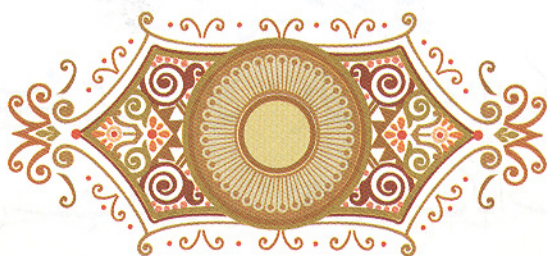
جادوئے بنگال

(احقر کی ایک نظم جو ۲۴؍ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ ڈھاکہ میں ہوئی جس کو ہمارے مُرشد حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے بہت پسند فرمایا۔ محمد اختر)

کیسی ظالِم ہے تقریر ۔۔۔ کیسی ظاہِر ہے تحریر

یہ ہے نالۂ شب گیر ۔۔۔ یہ ہے آہوں کی تاثیر

سب کو مارے ہے بے تیر

میرا خواجہ میرا پیر

لایا سینے میں وہ دِل ۔۔۔ دل ہے درد کا حامل

دردِ دِل ہے دردِ دِل ۔۔۔ اس کو مت کہہ آب و گل

تُو بھی جا کے اُس سے مِل

دیکھو کیسا ہے بسمِل

اُس کا عشق مُعتبَر   اُس کی آہوں میں اَثَر
بجلی گرتی ہے دِل پر   جب وہ ڈالے ہے نظر
یہ ہے برق یا شَرَر
جو ہے بات پُر اَثَر

سب کو خالق سے آگاہ   اُس نے کر دیا ناگاہ
کرتا ہے وہ آہ آہ   میرا خواجہ میرا شاہ
ہے سَراپا، یا اللہ!
چلتی پھرتی خانقاہ

کیسی شیریں ہے گفتار   کیسی مست ہے رفتار
سارا شہر ہے بیمار   اس کے درد کا اے یار
میرا خواجۂ ابرار
ہے وہ حامِلِ اَسرار

جام و مینا و سُبُو اُس کا میکدہ ھُو

ھر دم حق کی جستجو جُو بہ جُو، کُو بہ کُو

دیکھو ہر طرف ہر سُو

اُس کا حق اُس کا ھُو

اُس کا جام ہے لبریز اُس کا شہر ہے تبریز

میرا ساقیا برخیز مئے معرفت برریز

میرا درد با انگیز

میرا شمس دیں تبریز

تھا جو جنار ہے گلریز مُلّا زاہد ہے مے ریز

زمینِ سخت شر انگیز تیری صحبت سے زرخیز

پلا دے جامِ مئے تیز

رُومی آیا ہے تبریز

تجھ سے میری ہے فریاد — میرے دل کو کر دے شاد
تیرے بِن دلِ ناشاد — کیسے ہو اللہ[1] آباد
آجا میرے اے مُراد
دل کو کر مُرادؔ آباد

پیشِ شیخِ باکمال — کر دو نفس کو پامال
چھوڑو اپنا قیل و قال — بنو اب مَردِ صاحبِ حال
مُبارک اے زبانِ حال
تُو ہی ہے جادوئے بنگال

تیری رحمت ہو شامل — فضل اپنا کر نازل
مجھ کو تقویٰ دے کامل — تیری مل جائے منزل
تیرے درد کا حامل
اختؔر مانگتا ہے دِل

[1] ولہ الٰہ آباد سے مُراد باخُدا ہے، مُرادآباد سے مُراد بامُراد ہے۔

ظالموں کی دیکھ اُجڑی بستیاں

میرا سر ہے اور ان کا آستاں
کر رہا ہوں کس طرح آہ و فغاں

غم ہے کوئی یا کوئی کوہِ گراں
قلب نعرہ زن ہے سُوئے آسماں

آتشِ غم کی ہے کوئی داستاں
کیوں دُھواں دیتا ہے میرا آشیاں

ان کی جانب رُخ کریں جب بجلیاں
آشیاں میں طائروں کی سُن فغاں

جب زمیں پر ہو نہ تدبیرِ زماں
کیوں نہ جائے آہ سوئے آسماں

آہِ مظلومی سے ڈرنا چاہیے
ظالموں کی دیکھ اُجڑی بستیاں

بہرِ توفیقِ دعا ہے دوستو
ہر بلائے خالقِ کون و مکاں

عافیت لیکن طلب کرتے ہیں ہم
ہے یہی امرِ خدائے دو جہاں

دوستو سُن لو یہ ہے رازِ بلا
یہ ہے تکمیلِ وفائے عاشقاں

ہر بلا دفعِ بلاہائے عظیم
ورنہ کیوں بھیجے گا میرا مہرباں

آپ اختر پر رہیں بس مہرباں
کیا کریں گے یہ مرے نامہرباں

۶ ستمبر ۱۹۹۳ء - خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ - ری یونین

میرا سر ہے اور اُن کا آستاں

اے خدا ربِّ مکان و لامکاں
مانگتے ہیں تجھ سے ہم دونوں جہاں

میرے دل میں رازِ غم جو ہے نہاں
کر نہیں سکتا اسے ہرگز عیاں

اپنے رب ہی سے کہوں گا داستاں
ہے عبث مخلوق سے کرنا بیاں

کیا کہوں مَیں لذّتِ آہ و فغاں
ہے زمیں پر جیسے میرا آسماں

داستانِ غم کا ہے وہ آستاں
بے خبر ہے جس سے یہ سارا جہاں

کون ہے اس غم کا میرے راز داں
ہاں مگر ہے باخبر ربِّ جہاں

بے خبر از قصۂ ہر دو جہاں
میرا سر ہے اور ان کا آستاں

گر نہ ہوتا فضلِ ربِّ دو جہاں
کب دُعا میں ہوتی یہ آہ و فغاں

دل پہ جب کرتا ہے وہ فضلِ نہاں
ہوتی ہے توفیقِ فریاد و فغاں

ہوں گریزاں از ہمہ کارِ جہاں
ہے لبوں پر آہ سوئے آسماں

کہہ رہا ہوں دردِ دل کی داستاں
اپنے رب سے لیکن از راہِ نہاں

ہر نَفَس ہو آپ پر قربان جاں
آپ ہم سب پر ہیں کتنے مہرباں

زندگی دیتا ہے ربِّ دوجہاں

پھر اسی پر کر فدا تو قلب و جاں

گلستاں تجھ کو مبارک باغباں

دل مرا لگتا نہیں لیکن یہاں

درحقیقت ہے مرا ذوقِ نہاں

جا کے صحرا میں کروں آہ و فغاں

جب خدا نے تجھ کو جاں دی مفت میں

کیوں نہیں کرتا فدا پھر اُس پہ جاں

جب چمکتی ہیں فلک پر بجلیاں

آشیاں میں طائروں کی سُن فغاں

دوستوں میں مجھ کو سوکھی روٹیاں

غیروں میں بہتر ہیں از بریانیاں

ہیں تری سرکار میں سب خوبیاں

ناریوں کو فضل سے کر نوریاں

فقر کے دامن میں دے دے اے خدا

آفتابِ عزّتِ سُلطانیاں

دوستو سُن لو یہ ہے رازِ بلا

یہ ہے تکمیلِ وفائے عاشقاں

ہر بلا دفعِ بلاہائے عظیم

ورنہ کیوں بھیجے گا میرا مہرباں

بہرِ توفیقِ دُعا ہے دوستو!

ہر بلائے خالقِ کون و مکاں

ہے نظر اخترؔ کی بس تیری طرف

منتظر ہے فضل کی یہ میری جاں

(ری یونین - ۲۱؍ ربیع الاوّل ۱۴۱۴؁ھ مطابق ۹؍ ستمبر ۱۹۹۳؁ء)

لطفِ صحبتِ اہل اللہ

اُف مری جنّت کے وہ لیل و نہار
ہائے تیرا در وہی تیرا دیار

یہ خزاں ہو جائے میری پُر بہار
گر مُیسّر ہو مجھے دربارِ یار

ہاں بنامِ جامِ مے و میکدہ
اپنے رِندوں کو نہ بُھول اے ساقیا

اے تُو صد مینا و صد جام و سُبُو
اے تُو تنہا میکدہ از فیضِ ھُو

آہ جب سُنتا ہوں مَیں کوئل کی کُو
تیز ہو جاتی ہے میری ہاؤ ھُو

اے تو خنداں در میاں گلہائے ھُو
من پریشاں در غمِ صحرائے ھُو

بہرِ رازِ سرمدی و رازِ ھُو
مَن ترا جویم حبیبا کُو بہ کُو

عاشقانِ حق کی صحبت کی مٹھاس
پاؤ گے جب چھوڑ دو دُنیا کی گھاس

مر کے تو چھوڑو گے آخر دوستو
زندگی ہی میں اسے تم چھوڑ دو

دل ہے جس کا گھر اُسے آنے تو دو
گھر نہیں جن کا اُنہیں جانے تو دو

خالقِ عالم ہو دل میں آشکار
دیکھنا پھر دل کے عالم کی بہار

اہلِ دل کے دردِ دل کا گلستاں
درسگاہِ غم برائے عاشقاں

شرحِ غم بھی مجھ سے سُن لو دوستو
ہاں مگر پہلے کلیجہ تھام لو

ہاں مگر جس کو خدا اسے پاک دے
دردِ دل بہرِ دلِ غمناک دے

دوستو یہ غم غمِ دُنیا نہیں
یہ وہ غم ہے جو نہیں ملتا کہیں

مست کرتا ہے جو جانِ انبیاء
ہے وہی غم تو ہمارا مُدّعا

سینہ جو اس درد سے اپنا بھرے
کیوں نہ پھر حق پر جئے حق پر مرے

زندگی بے دوست کیا ہے زندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

گناہوں سے حفاظت

ہر گناہوں سے گر حفاظت ہے
تو یہ سمجھو خُدا کی رحمت ہے

اِن حسینوں کا حُسن کیا دیکھیں
جِس نظر بد پہ آہ لعنت ہے

حُسنِ فانی سے زندگانی کو
دُور رکھنا رہِ سلامت ہے

ایسی اُلفت کی آخری منزل
کیسی ذلّت ہے کیسی نفرت ہے

اُن سے سُنتے ہو گالیاں کیوں تم
جن سے کہتے ہیں آپ اُلفت ہے

حُسنِ فانی کی گرمیاں اختؔر
پہلے نفرت ہے پھر عداوت ہے

ایک مریضِ عشقِ مجاز نے نظم میں اپنا حال تحریر کیا۔ حضرت والا نے
نظم میں ہی نصیحت تحریر فرمائی جو مندرجہ ذیل ہے

نصیحت برائے عاشقِ مجاز

مشورہ سُن لے مجھ سے مرے ہم نشیں
دل حسینوں سے ہرگز لگانا نہیں

ہے فلک نوحہ خواں تنگ ہے یہ زمیں
یوں حسیں کرتے ہیں دل کو اندوہگیں

گُل رُخوں کو سمجھتا ہے جو گلستاں
یہ خزاں ہے خزاں یہ خزاں ہے خزاں

اِس بیاباں کو تُو مت سمجھ گلستاں
ورنہ پچھتائے گا اے مرے مہرباں

خاک پر خاک اپنی جوانی نہ کر
رائیگاں اس طرح زندگانی نہ کر

اِن حسینوں سے کس کو ملا چین ہے
جس نے بھی دل دیا اِن کو بے چین ہے

زندگانی میں کیا شادمانی ملی

صحبتِ شیخ سے زندگانی ملی — زندگانی میں کیا شادمانی ملی

نگہِ عارف کا فیضان ہے سالکو — عشق کی کیفیت بے زبانی ملی

راہ تقوے میں کچھ رنج فانی ملا — پر خوشی روح کو جاودانی ملی

اُن سے نسبت کا ہے فیض اے دوستو — دل کی ہر وقت جو نگہبانی ملی

سب کو نسبت ملی شیخ کے فیض سے — بدگمانوں کو بس بدگمانی ملی

اہلِ عُقبیٰ کو دونوں جہاں مل گئے — اہلِ دُنیا کو دُنیائے فانی ملی

نفس کو جس نے اپنے مٹایا اسے — راہِ حق میں بڑی کامرانی ملی

ہے مبارک جو اُن پر فدا ہوگیا — زندگانی تو بس آنی جانی ملی

جس کا دِل حاملِ دردِ دِل ہوگیا — بندگی کی اسے رازدانی ملی

فیضِ مرشد کا اختؔر یہ احسان ہے
اہلِ دل کی طرح زندگانی ملی

مخلوط تعلیم کا زہر

کچھ حُسن بھی مجبُور ہے کچھ عِشق بھی مجبُور
دُنیائے حُسن وعِشق بڑی کشمکش میں ہے

لازم ہے کہ دونوں ہی کریں عشق سے توبہ
ہر مبتلائے فسق بڑی کشمکش میں ہے

جب بھی ہُوئی ہے حُسن کی جانب سے پیش کش
حرکت میں آگیا ہے گناہوں کا پیچ کس

مخلوط حُسن وعِشق کی تعلیم زہر ہے
لیکن خُدا کے قہر کو سمجھا کہ مہر ہے

سوسائٹی عذاب ہے اور قہرِ حماقت
مخلوط حُسن وعِشق ہیں دونوں ہی نجاست

ہے اختلاجِ قلب اور دونوں ہیں دردِ سر
دونوں نہیں ہیں چین سے دُختر ہو یا پسر

نشّۂ جام زیر و زبر ہو گئے

غیرِ حق سے جو ہم بے خبر ہو گئے

جام و مینا مرے گرم تر ہو گئے

دیکھ کر محتسب رند ایسا ڈرا

جام و مینا بھی نذرِ حجر ہو گئے

شیخ کامل سے لیکن وہ ایماں ملا

تائبِ جام مثلِ جگر ہو گئے

جب مزہ مل گیا نشّۂ ذِکر کا

نشّۂ جام زیر و زبر ہو گئے

دل میں جب مل گیا خالقِ سلطنت
تارکِ سلطنت بے خطر ہو گئے

دامنِ کوہ میں آہِ خلوت سے ہم
بے اثر آہ سے با اثر ہو گئے

جز خُدا آہ کا کوئی محرم نہیں
میری آہوں سے سب بے خبر ہو گئے

سُن لو اختؔر کا پیغام اے دوستو
باخبر ہی سے ہم بے خبر ہو گئے

جب نگاہِ کرم دل کو گرما گئی

جب نگاہِ کرم دل کو گرما گئی
آہ خود میری آہوں سے شرما گئی

شدّتِ غم میں جو بھی دُعائیں ہُوئیں
ہر دُعا اُن دُعاؤں سے شرما گئی

زندگی کے حوادث تو مخفی رہے
شاعری میری مبہم سی بتلا گئی

مدتوں سے چھپایا تھا جو رازِ غم
چشمِ تر شیخ کی مجھ سے بتلا گئی

جس کی فطرت تھی اختؔر بڑی سنگدل
وہ مری آہ سے کیسی نرما گئی

سو بار بھی گر گر کے سنبھلتا ہے آج بھی

ہاں وہ درِ میخانہ تو کھلتا ہے آج بھی
پیمانۂ رحمت تو چھلکتا ہے آج بھی

وہ درد جو ارواح کی کلیوں کو ملا تھا
ہر چاک گریباں سے مہکتا ہے آج بھی

اعجازِ نظر دیکھیے ساقیٔ ازل کا
اشکوں میں لہو میرے ٹپکتا ہے آج بھی

جو مست ہوا مرشدِ کامل کی نظر سے
سَو بار بھی گر گر کے سنبھلتا ہے آج بھی

وہ جامِ محبّت ترا نایاب نہیں ہے
سینوں سے اہلِ درد کے ملتا ہے آج بھی

اخترؔ ہماری درد پسندی کی انتہا
ہے وصل مگر دل تو تڑپتا ہے آج بھی

یہ اشعار اس وقت ہوئے تھے جب احقر
ٹیکسلا سے مری پہاڑیوں کے مناظر سے گذر رہا تھا۔

فیضانِ عشق

اللہ اللہ عشق کا فیض و کرم
خاک کا افلاک پر جائے قدم

گریۂ غم تو ابھی ہرگز نہ تھم
کیا عجب ہے جوش میں آئے کرم

جسم عارف زائرِ کوئے حرم
جانِ عارف محرمِ جانِ حرم

نیک ہو یا بد ہو ہر اک لاجرم
روزِ محشر ہوگا جویائے کرم

جھیل کر دشواریٔ راہِ طلب
پا رہا ہوں دل میں گلہائے کرم

داستانِ عشق کی حد ہے کہاں
ہاں یہ ممکن ہے کہ تھک جائے قلم

چاہیے اخترؔ ہمیں اُن کی خلش
یہ نہ ہو تو ہیچ ہیں سارے نعم

عالمِ شباب

وہ عالمِ شباب کہ طوفاں کہیں جسے
سیلاب کی زد میں تھی مرے عشق کی بستی

محفوظ جوانی تھی مری شیخ کے صدقے
گو حُسن کی دولت تھی مرے سامنے سستی

آنکھوں میں وہ نشّہ تھا کہ توبہ مری توبہ
اور حُسن کے گلشن میں جوانی تھی مہکتی

ہر خونِ تمنّا سے مِلا دردِ دل مجھے
ایمان کے پھُولوں کی تھی رنگت بھی نکھرتی

زینت سے بے نیاز تھی وہ میری جوانی
صُورت تھی مری زُلفِ پریشاں سے سنورتی

آئی نظر جو چشمِ بصیرت مری کھُلتی
دُنیائے حُسن تھی مری آنکھوں میں سسکتی

اختر نے جب اُلٹ دیا خواہش کا سیلِ آب
منزل مری جانب کو چلی آئی مچلتی

قلبِ شکستہ اور نزولِ تجلّی

کیوں قلبِ شکستہ میں ہے مولیٰ کی تجلّی
مجبوب ہے کیا ان کو یہ میرا دلِ ویراں

جو خار چُبھے راہ میں ان کی تو سُن اے دوست
آتا ہے نظر میں وہ مری رشکِ گلستاں

جو قرب کی منزل کا مزہ لوٹ رہے ہیں
سمجھے گا بھلا کیا اسے اِک طفلِ دبستاں

(دورانِ سفر کراچی تا لندن طیارہ میں ۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ، ۱۳؍ ستمبر ۱۹۹۵ء)

ایک بزرگ کے حج پر جانے کی اطلاع ملی تو حضرت والا نے اُن کو مکہ مکرمہ خط تحریر فرمایا اور دورانِ تحریر فی البدیہہ مندرجہ ذیل اشعار بدونِ کاوش کے تحریر فرماتے جو لکھتے لکھتے موزوں ہو گئے حرمِ پاک کی حاضری کا شوق و حسرت ہے۔ (جامع)

شوقِ حاضریِ حرمین شریفین

اے واصلانِ کعبہ ہم کو بھی یاد رکھنا
اِک دُور اُفتادہ فریاد کر رہا ہے

کر رہا ہے کوئی کعبہ کا طواف
یاں نگاہوں میں ہے کعبہ کا مطاف

ہائے احباب ہوئے منزلِ جاناں میں مقیم
اور اختؔر ہے غمِ ہجر سے مغموم و سقیم

مثنوی رومی ثانی

حکایت چرواہا
اور
حضرت موسیٰ علیہ السّلام

ایک چرواہے کی ہے یہ داستاں — حضرتِ موسیٰ نبی تھے جس زماں

اپنے خالق کی اُسے تھی جستجو — دامنِ دشت و بیاباں کُو بکُو

گُھل رہا تھا نالۂ غمناک سے — جل رہا تھا عشقِ حق کی آگ سے

چاک داماں سینہ بریاں چشم تر — جذبِ حق سے پھر رہا تھا دربدر

چشمِ تر سے گریۂ خوں تھا رواں — کر رہا تھا عشق میں آہ و فغاں

ایک دن چرواہا یادِ یار میں — رو رہا تھا دامنِ کُہسار میں

کہہ رہا تھا اے خُدائے دو جہاں — کس طرح سے مَیں تجھے پاؤں کہاں

اِک زمانہ سے اِلٰہی دربدر — ڈھونڈتا ہوں تجھ کو مَیں شام و سحر

اپنے ملنے کا پتہ کوئی نشاں — تو بتا دے مجھ کو اے شاہِ جہاں

گر نہ پاؤں گا تجھے مَیں اے خُدا — سر کو ٹکرا کر کروں گا جاں فدا

بن ترے میں کب تلک جیتا رہوں — کب تلک خونِ جگر پیتا رہوں

یا تو مجھ کو آ ملِ جاوے گا تُو　　یا تو خاک و خُوں میں سَر پاوے گا تُو

بِن ترے دل کو سُکوں مِلتا نہیں　　تُو مگر اے دوست کیوں مِلتا نہیں

پھُول دل کا بِن ترے کھِلتا نہیں　　پر مجھے تیرا پتہ ملتا نہیں

ہر گلِستاں خار ہے تیرے بغیر　　زندگی ایک نار ہے تیرے بغیر

بِن ترے آوازِ بلبل خوش نوا　　کان میں جیسے ہے زاغوں کی صدا

بِن ترے کُہسار کی یہ وادیاں　　پھاڑ کھاتی ہیں یہ سب گُلکاریاں

یہ زمین و آسماں شمس و قمر　　یہ گلستان و بیاباں بحر و بَر

خوش نہیں آتے مجھے تیرے بغیر　　کچھ نہیں بھاتے مجھے تیرے بغیر

کوئی صورت عقل میں آتی نہیں　　بِن ترے کوئی جگہ بھاتی نہیں

”خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود　　کہ مرا با تو سرو سودا بود“

بِن ترے اِک پَل نہیں مجھ کو سکوں　　بِن ترے میں کیا کروں دنیا تِئے دوں

خونِ دل کب تک پیوں تیرے بغیر　　کِس طرح آخر جیوں تیرے بغیر

جان و دل کیوں غیر پر شیدا کروں　　کیوں کسی سے دل کا مَیں سَودا کروں

اے خدا میں اور مری یہ بکریاں　　تجھ پہ سب قرباں مری یہ بھیڑیاں

تجھ کو گر پاتا خداوندا مرے　　دابتا ہر روز دست و پا ترے

تیری گدڑی بھی میں سیتا اے خدا — ہر طرح خدمت تری لاتا بجا

جس جگہ تو بیٹھتا اے شاہِ جاں — روز دیتا شوق سے جھاڑو وہاں

روغنی روٹی کھلاتا میں تجھے — آبِ شیریں بھی پلاتا میں تجھے

اور پلاتا دودھ تجھ کو صبح و شام — بکریوں کا اپنی اے ربِّ انام

اِس طرح چرواہا اپنی داستاں — کر رہا تھا عرض با آہ و فغاں

کہہ رہا تھا اپنے رب سے بے خطر — حالِ دردِ زخمِ دل زخمِ جگر

"عاشقی پیداست از زاریٔ دل — نیست بیماری جو بیماریٔ دل"

ایک دن ایسا ہوا کہ ناگہاں — حضرت موسٰی بھی آ پہنچے وہاں

سُن کے چرواہے کی ایسی داستاں — حضرت موسٰی نے فرمایا کہ ہاں

کہ رہا ہے یہ تو کیا ظالم یہاں — ہو گیا تو از گروہ کافراں

کیا خدا محتاجِ خدمت ہے ترا — کیا خدا محتاجِ نصرت ہے ترا

کیا خدا کے دست و پا ہیں اے جہول — کہ دباوے گا انہیں تو اے ملول

کیا خدا محتاجِ اکل و نوش ہے — کیا خدا محتاجِ سر و دوش ہے

حضرتِ موسٰی کے ارشادات کو — زجر اور توبیخ کے کلمات کو

سُن کے چرواہے نے کھینچی ایک آہ — کر گریباں چاک لی جنگل کی راہ

ہوگیا مایوس وہ چرواہا آہ
سی لیا مُنہ اُس نے از مدحِ الٰہ

وحی آئی سُوئے موسےٰ از خُدا
کیوں کیا تم نے مرا بندہ جُدا

"تُو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی"

عقل والوں کے لیے ہے یہ ادب
آہ چرواہا تھا اہلِ عقل کب

"موسیا آدابِ دانا دیگر اند
سوختہ جانے روانا دیگر اند"

تُو زِ سرمستاں قلاوزی مجو
جامہ چاکاں را چہ فرمائی رفُو

چاک ہیں جن کے لباس از عشقِ حق
رفو کا اُن کو نہیں ہے امرِ حق

خوش ہمی آید مرا اے عاقلاں
چاک دامانیِ از دیوانگاں

کِس طرف وہ میرا پروانہ گیا
کِس طرف وہ میرا دیوانہ گیا

"تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید ز عالم تشنگاں"

عاشقوں کی گفتگو در کارِ رب
عِشق کی جوشش ہے نے ترکِ ادب

عِشق کو گرچہ نہ ہو عقل و تمیز
پر ہزاروں عقل ہیں اِس کی کنیز

گرچہ ظاہر میں ادب سے دُور تھا
لیکن اُس کا دل مرا رنجور تھا

ظاہرًا گو لفظ گستاخی کے تھے
معنیٰ لیکن عِشق و جاں بازی کے تھے

اپنے دیوانے کی باتیں موسیا
ڈھونڈتی ہے بارگاہ کبریا

حکایت
شاہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ

حکایت شاہ ابراہیم بن ادہمؒ کی کہ عشقِ حقیقی نے ان سے سلطنت چھڑوا کر دس برس بحالتِ جذب غارِ نیشاپور میں مشغولِ عبادت رکھا۔

قصۂ ثانی کا اب آغاز ہے
داستانِ عشق کی آواز ہے

اِک حکایت ابنِ ادہم کی سنو
تھے کبھی شاہِ بلخ یہ دوستو

عِشقِ حق نے جب کیا اُن پر اثر
سلطنت اُن پر ہوئی بس تلخ تر

ترک کر کے سلطنت اور مال وجاہ
چل پڑا شاہِ بلخ جنگل کی راہ

دامنِ جیب و گریباں کر کے چاک
کر رہا تھا نالۂ غم دردناک

دس برس تک جذب میں پھرتا رہا
ہوش اُس کو کچھ نہ تن من کا رہا

عشقِ حق میں رات دن گھلتا رہا
یادِ حق میں جاں سے بے پروا رہا

غارِ نیشاپور میں یہ جانِ پاک
رَٹ رہی تھی اپنے رب کا نامِ پاک

"شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما"

ہے لباسِ فقر میں شاہِ بلخ
نذرِ ذُلِّ عشق ہے جاہِ بلخ

ترک کر کے عزت و جاہِ بلخ
گھر سے بے گھر ہو گیا شاہِ بلخ

شاہی و شہزادگی کو چھوڑ کر
عیش کے سارے عَلائِق توڑ کر

ساری دُنیا ہی سے رُخ کو موڑ کر
پڑ گیا بس حق سے رشتہ جوڑ کر

جاہِ شاہی نذرِ آہِ عشق ہے
ہفت دولت بذلِ راہِ عشق ہے

عِشق ہے دَریائے خوں کا راستہ
بند ہے یاں اہلِ تن کا ناطقہ

غیر مخلص کا نہیں یاں کچھ گذر
ناقصوں کی یہ نہیں ہے رہگذر

خون ہوتے ہیں یہاں قلب و جگر
راستہ ہے عشق کا بس پُرخطر

پاکبازوں کے لیے ہے راجِ عشق
سَرفروشوں کے لیے ہے تاجِ عشق

عِشق کا سَودا بڑا مہنگا ہے آہ
چھوڑنی پڑتی ہے یاں سب عزّ و جاہ

کون ہے آگاہ ان رازوں سے آہ
عِشق ملتا ہے بڑے نازوں سے آہ

عِشقِ حق آساں نہیں ہے دوستو
عِشقِ حق ارزاں نہیں ہے دوستو

عِشق کو کب ننگ کی پرواہ ہے
عِشق کو کب فکرِ عزّ و جاہ ہے

نصف حصہ حُسن کا جس کو ملے
ہو عطا پیغمبری جس کے لیے

مِصر کے بازار میں یُوسُف کو لا
عِشق نے کس طرح سے سَودا کیا

عِشق نے یُوسُف کو ارزاں کر دیا
چند درہم کے عوض بِکوا دیا

آہ یوسف مصر کے بازار میں
بِک رہے ہیں عشق کے آزار میں

حضرتِ یوسف وہ عبدِ خوشخصال
قید خانے میں رہے تھے ہفت سال

صیدِ عشقِ حق ہے قیدِ عشقِ حق
مرحبا اے پاک صیدِ عشقِ حق

کِس لیے وہ قید خانے میں رہے
اپنے دیں پر استقامت کے لیے

عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے
عشق بے پروا ہے جانِ زار سے

”دعوئے مرغابی کردہ است جاں
کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں“

دینِ من از عشقِ زندہ بودن است
زندگی زیں جاو سر ننگ من است

عشقِ حق جانانِ جانِ صادقاں
ذکرِ حق ہے بس غذائے عاشقاں

جسمِ شاہی آج گدڑی پوش ہے
جاہِ شاہی فقر میں رُوپوش ہے

الغرض شاہِ بلخ کی جانِ پاک
ہوگئی جب ذکرِ حق سے عشقناک

فقر کی لذّت سے واقف ہوگئی
جانِ سلطاں جانِ عارف ہوگئی

کرامت ابراہیم ابنِ ادھم رحمہ اللہ

حکایت حضرت شاہ ابراہیم ابن ادھم کی کہ ایک دن دریا کے کنارے گدڑی سینے میں مشغول تھے پھر اتفاق سے وزیرِ سلطنتِ بلخ کا اُس طرف سے گذرنا اور شیخ کو بہ نگاہِ حقارت دیکھنا پھر شیخ کا اپنی سُوئی دریا میں ڈال کر مچھلیوں کو سُوئی لانے کا حکم کرنا اور ہزاروں مچھلیوں کا سونے کی سُوئی مُنہ میں لے کر سطحِ دریا پر نمودار ہونا

ایک دن شاہِ بلخ بیٹھے ہُوئے
سِی رہے تھے اپنی گدڑی ہاتھ سے

برلبِ دریا کسی صحرا میں آہ
دَلق دوزی کر رہا تھا بادشاہ

اتفاقاً سلطنت کا اِک وزیر
سُوئے دریا آگیا واں ناگزیر

دیکھتا کیا ہے لبِ دریا کوئی
فقر کی ذلّت سے ہے خستہ کوئی

غور سے دیکھا تو تھا شاہِ بلخ
دل میں سوچا یہ ہے رُوباہِ بلخ

سلطنت کو چھوڑ کر آیا ہے یاں
عقل پر اِس شاہ کے ہے صد فُغاں

الغرض شہ کے قریب آیا وزیر
لے کے دل میں وسوسہ بے حد حقیر

منکشف شہ پر ہُوا یہ وسوسہ
ہو گیا افسردہ اِس حرکت سے شہ

ہو گیا صدمہ سے قلبِ شہ دو نیم
پھینکی اپنی سُوئی در بحرِ عظیم

مچھلیوں سے پھر کہا اے ماہیاں
میری سُوئی ڈھونڈ کر لاؤ یہاں

چند لمحے بھی نہیں گذرے تھے واں
ہو گئیں حاضر لیے سب سُوئیاں

صد ہزاراں ماہیٔ اللّٰہیے
سوزنِ زر بر لبِ ہر ماہیے"

سر برآورد ندازدریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق"

شہ نے خوش ہو کر کہا کہ اے قدیر
سوزنِ زر کیا کرے گا یہ فقیر

چاہیئے سوئی مجھے اپنی وہی
جس سے گُدڑی سی رہا تھا میں ابھی

پس بحکمِ رب لیے سوئی وہی
ایک مچھلی دوڑ کر حاضر ہوئی

پھر کہا شاہِ بلخ نے اے وزیر
ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر

تھی بلخ کی سلطنت کس کام کی
زندگی ہے اب مری آرام کی

سلطنت کا شور و غُل تھا دردِ سَر
اب فقیری میں ہُوں شاہِ بحر و بَر

"عِشق کی ذلّت بھی عزّت ہو گئی
لی فقیری بادشاہت ہو گئی"

ذکرِ اسمِ رب کی اب تکرار ہے
عِشقِ حق سے دل مِرا سرشار ہے

سَر کو جِس نے کر دیا نذرِ جُنُوں
کب اُسے ہو گا غمِ دُنیائے دُوں

ذکر کی لذت سے مست و شاد ہوں
فِکرِ این و آں سے اب آزاد ہوں

ذکرِ حق ہے لذّتِ جانِ حزیں
رشکِ صد حلوہ ہے یہ نانِ جویں

عاشقوں کو فقر کا ساماں دیا
خواجگی کو فقر میں پنہاں کیا

دردِ دِل سے عشق کا درماں کیا
رنج و غم سے عشق کا ساماں کیا

دیکھ کر کے یہ کرامت شاہ کی
بَن کے سرتاپا ندامت آہ کی

گر گیا قدموں میں فوراً شاہ کے
پا گیا ثمرات یک دَم آہ کے

شیخ کی صحبت سے کامل ہوگیا
ایک بے دِل صاحبِ دل ہوگیا

صاحبِ نسبت ہُوا جب وہ وزیر
پھر نِگہ میں آئے کیا مُلکِ حقیر

ہوگیا کامل وہی اہلِ ہویٰ
صحبتِ پاکاں عجب ہے کیمیا

حکایتِ پیرِ چنگی

پیرِ چنگی کہ زندگی بھر گانے بجانے میں مشغول رہے جب آواز پیری سے کام کی نہ رہی تو خلق نے اُن سے کنارہ کشی کی پھر یہ قبرستان کے ایک غار میں بہت روئے اور حق تعالیٰ سے فریاد کی۔ پھر حق تعالیٰ نے اُن کو اپنا ولی بنالیا

رحمتِ حق کا سنو اک ماجرا
پیرِ چنگی شخص تھا اِک خوش نوا

چنگ و موسیقی تھی اس کی زندگی
ظلمتِ عصیاں سے تھی آلودگی

وقفِ رنگ و چنگ تھا اُس کا وجود
روز و شب تھا مشغلہ رقص و سرود

کیا ہی اُس کی پُرکشش آواز تھی
خلق کو رغبت تھی اُس آواز کی

جس طرف جاتا کبھی گاتا ہُوا
مَرد و زن کے دِل کو گرماتا ہُوا

شور ہوتا آگیا جی آگیا!
آگیا وہ مَردِ چینگی آگیا!

ہر طرف سے ہو رہی تھیں دعوتیں
کر رہے تھے لوگ مالی خِدمتیں

عیش میں تھا مَردِ چینگی اس طرح
آخرت یاد آئے اُس کو کس طرح

عیش میں مشکل ہے فکرِ آخرت
نَفْس میں ہے خصلتِ فرعونیت

"نَفْس فرعون است ہیں سیرش مکُن
تا نہ یادش آید آں کفرِ کہُن"

نَفْسِ بد بس تلخیٔ افلاس سے
ذکرِ حق کرتا ہے صد اخلاص سے

حاجتیں بس کھینچتی ہیں سُوئے شاں
نَفسِ بَد کو جانبِ ربِّ جہاں

گریہ و زاری بہ پیشِ بارگاہ
عیش میں کرتا ہے کب انسان آہ

الغرض تھا عیش میں وہ مَردِ چنگ
سخت بدتر تھے سب اُس کے رنگ ڈھنگ

تھے مگر گرویدہ اُس کے مَرد و زن
کیونکہ موسیقی کا تھا اُستادِ فن

رفتہ رفتہ اُس کو پیری آگئی
خوشنوائی اُس کی سب جاتی رہی

ہوگئی آواز مثلِ بُوم و زاغ
مُبتذِل پھرتا تھا پھر وہ خوش مَساغ

خلق کو اُس سے شکایت ہوگئی
ساری دُنیا ہی کو نفرت ہوگئی

پڑ گیا جب سرد سب چنگ و سرود
شدّتِ غم میں پڑی جانِ کبود

شدّتِ افلاس و عُسرت میں پڑی
جانِ چنگی سخت کُلفت میں پڑی

رنجِ فاقہ سے ہُوا مثلِ کماں
کون سُنتا ہے اب اس کی داستاں

الغرض اک آہ کھینچی دردناک
دامنِ جیب و گریباں کر کے چاک

خلق سے مایوس اور اندوہ گیں
سُوئے گورستاں چلا مردِ حزیں

قبر کہنہ میں تھا اِک غارِ عظیم
پیرِ چنگی گھس گیا بے خوف و بیم

غار میں اخلاص سے جاری ہُوئے
نالہائے زار مخفی صدر کے

حضرت مرشدی قرۃ عینی و قلبی
عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا
شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم
نے احقر سے فرمایا کہ میرے کلام کے آخر میں اپنا کلام شامل کر دینا۔
احقر کے لئے اس سے بڑی سعادت کی بات اور کیا تھی کہ ریشم
میں ٹاٹ کا پیوند شامل فرما لیا جائے۔ یہ حضرت والا کا انتہائی کرم ہے،
اور حقیقت یہ ہے کہ احقر کے یہ اشعار حضرت والا کا روحانی تصرف اور
فیض ہے ورنہ احقر شاعر کہلانے کا مستحق نہیں لہٰذا حکمِ
مرشد پر یہ کلام پیشِ خدمت ہے۔

احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ عنہ

"اے عظیم از ما گناہانِ عظیم
تُو توانی عَفو کردن در حریم"

"در جگر افتادہ ہستم صد شرر
در مُناجاتم بہ بیں خونِ جگر"

کوئی دروازہ نہیں تیرے سوا
چھوڑ کر تجھ کو کہاں جاؤں بھلا

"گر تُو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

کچھ نہیں میرے لیے اب روزگار
تنگ ہوں فاقہ سے میں اے کردگار

گر نہ تو پُوچھے گا مُجھ کو اے خُدا
کون پُوچھے گا مجھے تیرے سوا

زندگی بھر خلق میں رُسوا پھرا
اب تو آخر تیرے در پہ آ پڑا

اب مرا کوئی نہیں ہے دُوسرا
جس پہ یارب میں کروں کچھ آسرا

جَل گئے سب پردے جب اسباب کے
سامنے تُو ہے دلِ بے تاب کے

آہِ مضطر کا ہے تُو ہی مُشتری
جُز ترے کوئی نہیں چارہ گری

مُشتری ہے تُو ہی اِس آواز کا
اور مرے چنگ و رُباب و ساز کا

ناخُنِ تدبیر گھس جانے کے بعد
پردۂ اسباب جل جانے کے بعد

پس تری جانب ہے اب میری نگاہ
ناؤ میری پار ہو میرے الٰہ

کر رہا تھا یہ دُعا با صد فُغاں
در جنابِ پاکِ ربِّ دو جہاں

پس اچانک دیکھتا ہے سامنے
حضرتِ فاروقِ اعظم ہیں کھڑے

پیرِ چنگی خوف سے لرزاں ہُوا
عظمتِ فاروق سے ترساں ہُوا

حضرتِ فاروق بولے اے فقیر
خوف مت کر تجھ پہ ہے فضلِ قدیر

گریۂ غمناک تیرا ہے قبول
دیکھ کر مجھ کو نہ ہو تو کچھ ملول

دُرّۂ فاروق اُس پر کیوں پڑے
مُنفَعِل ہوکر جو رب سے رو پڑے

حق تعالےٰ نے مجھے الہام سے
کر دیا آگاہ تیرے نام سے

اور دکھلایا مجھے تیرا مقام
تاکہ حاضر ہوسکوں جائے قیام

حق تعالےٰ نے تجھے اپنا سلام
مُجھ سے فرمایا ہے اے عبدِ کرام

اور فرمایا کہ بیتُ المال سے
کچھ رقم لے جا تُو اُس کے واسطے

حق تعالےٰ نے ہمیشہ کے لیے
تیری روزی باندھ دی ہے غیب سے

اور فرمایا ہے اُس سے یہ کہو
مَیں نے تجھ کو چُن لیا اے خوش گلو

ہے تری آواز مجھ کو خوش نوا
گرچہ ہے مخلوق میں تُو بد نوا

مُشتَری ہُوں مَیں تری آواز کا
مُشتَری ہوں مَیں ترے ہر ناز کا

”مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم“

"موکشیدہ آمدہ در کوئے من
آفریں بر دست و بر بازوئے من"

عرش تک پہنچی تری آہ و بُکا
مشتری تیرا ہے خود ربُّ العُلا

تیرے نالوں میں جو ہے خونِ جگر
تیری آہوں میں جو ہے دردِ جگر

میری رحمت خود ہے تیری مشتری
کرلیا میں نے تجھے اپنا ولی

جذبِ حق سے تُو ہُوا خاصِ خُدا
پھینک دے اب چنگ و سازِ دلرُبا

اپنے رب سے خوب واقف ہوگیا
جانِ چنگی جانِ عارف ہوگئی

"مردِ چنگی کے بود خاصِ خُدا
حبّذا اے جذبِ پنہاں حبّذا"

حکایت امرؤ القیس

بادشاہ عرب امرؤ القیس کا حق تعالیٰ کی محبّت میں تخت و تاج چھوڑ کر فقیری اختیار کرنا اور دوسری سلطنت میں جا کر مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانے لگنا۔ پھر اُن کا شہرہ سُن کر شاہِ تبوک کا حاضر ہونا اور اُن کے دردِ عشق سے متاثر ہو کر اُن کے ساتھ فقیری اختیار کرنا، پھر ان دونوں بادشاہوں کا اپنی سلطنتوں سے باہر نکل جانا۔

داستانِ عشق کرتا ہوں بیاں ‏ ‏ عِشق کے برکات کرتا ہوں عیاں

تھا عرب میں ایک شاہِ خُوبرُو ‏ ‏ نیک خصلت نیک سیرت نیک خُو

نامِ نامی قیس تھا اُس شاہ کا ‏ ‏ حُسن اُس کا شہرۂ آفاق تھا

سلطنت کا مالک و مختار تھا ‏ ‏ عِشق کا لیکن اُسے آزار تھا

حق تعالیٰ کی اُسے تھی جستجُو ‏ ‏ عِشقِ حق کی تھی اُسے بس آرزُو

عِشقِ حق نے جب کیا اپنا اثر ‏ ‏ عیش و راحت کر دیا سب تلخ تر

تخت سے بیزار شہ کو کر دیا ‏ ‏ خِشت سازی کی طرف مائل کیا

عِشق کی لذّت کو شہ جب پا گیا ‏ ‏ سلطنت سے اُس کا دل اُکتا گیا

تختِ شاہی فقر سے مُبدَل ہُوا — حَبَّذا اے عشقِ صادق حَبَّذا

آہ اس شاہِ عرب کو عشق نے — کر دیا ہے مجلس میں مزدور کے

آج وہ شہ مملکت میں غیر کے — خشت سازی کر رہا ہے چین سے

آج مزدوروں کے جھرمٹ میں ہے شاہ — حَبَّذا اے عشقِ صادق واہ واہ

الغرض اک شور و ہنگامہ ہُوا — ملک میں اُس شاہ کا چرچا ہُوا

کہ لباسِ فقر میں یاں ایک شاہ — آگیا ہو کر شکارِ عشق آہ!

سلطنت میں شورِ عجب برپا ہُوا — بادشہ حاضر ہوا اس ملک کا

با ادب پوچھا کہ اے صاحبِ جمال — اے لباسِ فقر میں صاحبِ کمال

تیری ہمّت پر فدا یہ سلطنت — میں بھی اور ایسی ہزاروں مملکت

"پیشِ ما باشی کہ بخت ما بود — جانِ ما از وصل تو صد جاں شود"

ماجرا کیا ہے ذرا مجھ کو بتا — کس سبب سے بن گیا ہے شہ گدا

کس لیے تو در بدر پھرتا ہے آہ — کس پہ تو سو جان سے شیدا ہے آہ

جاہِ شاہی ترک کی کس کے لیے — یہ گدائی ہے تری کس کے لیے

جاہِ شاہی وقفِ ذُلِّ فقر ہے — عیشِ جاہی وقفِ ذُلِّ فقر ہے

تاجِ سُلطانی غُلامِ فقر ہے
جامِ شاہی نذرِ جامِ فقر ہے

تاجِ شاہی ہے گدائے بوریہ
فخرِ شاہی گھس رہا ہے ناصیہ

گھر سے بے گھر ہو گیا کس کے لیے
بن گیا ہے تو گدا کس کے لیے

یہ گدائی آہ کیوں کرنے لگا
ترک عزّ و جاہ کیوں کرنے لگا

چھوڑ کر کے سلطنت کی راحتیں
سر پہ کیوں لیں تُو نے صدہا آفتیں

الغرض جب بادشہ خامُش ہُوا
اُٹھ کے اُس نے کان میں کچھ کہہ دیا

آہ جانے کیا کہا کچھ دردِ عشق
ہو گیا یہ شاہ بھی پھر مردِ عشق

مرحبا اے جانِ صادق عشق باز
مرحبا اے جانِ عارف خستہ ساز

شہ ہُوا کیوں کر غُلامِ خستہ ساز
غیرِ عاشق پر نہیں کُھلتا یہ راز

عِشق نے ایسے ہزاروں بادشہ
کر دیئے بے ملک بے تخت و کلہ

عِشقِ خونی گر کماں کو کھینچ لے
ایک پیسے میں ہزاروں سر بِکے

عِشق کی لذّت کو اُن سے پوچھیے
جن کے سینے عِشق سے زخمی ہُوئے

حکایت علاجِ عشقِ مجازی

عاشق ہونا ایک طالبِ اصلاح کا شیخ کی خادمہ پر اور علاج کرنا شیخ کا ایک عجیب تدبیر سے

داستاں اب ایک طالب کی سنو
طالبِ حق تھا کوئی اے دوستو

شیخ کی خدمت میں جب حاضر ہُوا
بہرِ حق یہ شاغل و ذاکر ہُوا

شیخ کی ایک خادمہ اُس کے لیے
لاتی کھانا آنکھ کو نیچی کیے

نفسِ اَمّارہ کو رغبت ہوگئی
خادمہ سے اُس کو اُلفت ہوگئی

جب وہ کھانا لے کے آتی تھی اُسے
محوِ حیرت دیکھتا تھا یہ اِسے

خادمہ نے شیخ سے جا کر کہا
طالبِ اِصلاح گمرہ ہو گیا

شیخ تھا اہلِ فراستِ کاملہ
صاحبِ فہم و تدبر صادقہ

اس نے طالب کو نہیں رسوا کیا
یعنی اس کا عیب پوشیدہ رکھا

شیخ نے پھر خادمہ سے یہ کہا
کھالے تو فوراً یہ مُسہل کی دَوا

اور تجھ کو دست آئیں اس سے گر
ان کو تو اِک طشت میں سب جمع کر

دست آتے خادمہ کو اس قدر
ہو گئی وہ زرد و لاغر زود تر

ہو گیا چہرہ عجب پُرخوف سا
حُسن اُس کا ایک دَم جاتا رہا

دھنس گئیں اندر کو آنکھیں اس قدر
خوف ہوتا دل میں ان کو دیکھ کر

شیخ نے پھر خادمہ سے یہ کہا
لے کے کھانا پاس اس طالب کے جا

امتحاناً شیخ تھا چھپ کر کھڑا
دیکھتا تھا دور سے سب ماجرا

دیکھ کر طالب نے اس لونڈی کو آہ
اپنی آنکھیں پھیر لیں باصد کراہ

حُسن جب مسہل سے پھیکا پڑ گیا
عشق کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا

شیخ نے طالب کی تب اصلاح کی
اور کہا کہ کیا ہوئی وہ عاشقی

خادمہ کے جسم سے کیا کم ہوا
دیکھ کر کیوں آج تجھ کو غم ہوا

جسم سے کیا چیز رخصت ہوگئی
جس سے تجھ کو اتنی نفرت ہوگئی

شیخ نے پھر طشت دکھلایا اسے
جمع جس میں خادمہ کے دست تھے

اور کہا کہ دیکھ اے طالب اسے
صرف یہ نکلا ہے اُس کے جسم سے

پس ترا معشوق یہ پاخانہ تھا
تو اسی کا آہ بس دیوانہ تھا

خادمہ سے عشق تھا تجھ کو اگر
اب وہ کیوں جاتا رہا اے بے خبر

طالبِ حق ہوگیا بس منفعل
اپنی غلطی سے ہُوا بے حد خجل

رستگاری نفس کی زنجیر سے
پاگیا مرشد کی اِک تدبیر سے

مثنوی تریاقِ زہرِ عشق یعنی علاج بدنگاہی وعشقِ مجازی

اے خداوندِ جہانِ حُسن و عِشق
سخت فتنہ ہے مجازی حُسن و عِشق

غیر سے تیرے اگر ہو جائے عشق
عِشق کیا ہے درحقیقت ہے یہ فسق

عِشق با مردہ ہے تیرا اِک عذاب
راستے کا ہے ترے یہ سدِّ باب

حکم ہے اس واسطے غضِ بصر
تا ہو زہرِ عشق سے دل بے خطر

بدنگاہی مت سمجھ چھوٹا گناہ
دل کو اِک دم میں یہ کرتی ہے تباہ

بدنگاہی تیر ہے ابلیس کا
زہر میں ڈوبا ہوا تلبیس کا

ہو گئے کتنے ہلاک اس راہ میں
کھو کے منزل گر گئے وہ چاہ میں

کھو نہ تو اس طرح سے عمرِ عزیز
عمر کی قیمت ہے بس ذکرِ عزیز

چند دن کا حُسن ہے حُسنِ مجاز
چند روزہ ہیں فقط یہ ساز باز

عشق جو ہوتا ہے رنگ و روپ پر
جیسے عاشق شمس کا ہو دھوپ پر

جو ہیں خود عاجز سراپا احتیاج
عشق میں ان کے جو ہیں سرمست آج

عاشق و معشوق کل روزِ شمار
روسیہ ہوں گے بہ پیشِ کردگار

گفت مولانائے اشرف تھانوی
عشقِ فانی ہے عذابِ سرمدی

دل کا ہو مطلوب کوئی غیرِ حق
ہے یہ مستیِ شرابِ قہرِ حق

گر حقیقت کی طرف کوئی مجاز
ہو رجوع تو ہے وہ جانِ پاکباز

ہو گیا زندہ وہ گورستان سے
آ گیا گلشن میں خارستان سے

خار سے رُخ پھر گیا اب سوتے یار
دیکھتا ہے قلب میں اب روتے یار

ذکرِ حق سے مل گیا جس کو قرار
سامنے اس کے خزاں بھی ہے بہار

نور آیا، پس بجھی شہوت کی نار
جیسے ہو جائے خزاں فصلِ بہار

سنگدل ہوتے ہیں یہ سیمین تن
خود غرض اور بے وفا ہیں گل بدن

سخت بدرگ بدخصال و زشت خو
بالیقیں ہوتے ہیں یہ بت خوبرو

گھور پر جیسے ہو کوئی سبزہ زار
چشم دھوکہ کھا کے ہو اس کا شکار

غیرِ حق کا دل سے جب نکلے گا خار
دل میں ہوگی چین و لذت کی بہار

جان میں ہوگا طلوع وہ آفتاب
اور حیاتِ طیّبہ کا فتح باب

تھا دخانِ شمعِ مُردہ کا حجاب
سخت غیرت میں تھا نور آفتاب

"آفتابا با تو چوں قبلہ و امیم
شب پرستی و خفاشی می کنیم"

"بے گماں ترکِ ادب باشد زما
کفرِ نعمت باشد و فعلِ ہوا"

جب کہ ہو غیرِ خدا کا دل میں خار
ہوگی اس پر ظلمت و کلفت کی مار

ہائے کیا دیکھے گا وہ روئے بہار
جو نہ ہو پابندِ ذکر و فکرِ یار

عمر بھر رکھے گا ساقی تشنہ کام
گر پئے گا زہرِ نظرِ بد کا جام

جب کہ غیروں میں بھی ہو مشغول دل
نزدِ خالق کیسے ہو مقبول دل

دل میں تیرے ہے جو فکرِ این و آں
اس لیے آتا نہیں وہ نورِ جاں

”اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن“

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

اے خداوندا یہ میری مثنوی
جو پڑھے اس کو ہو تجھ سے آگہی

بھر دے تو ہر شعر میں انوارِ عشق
جس سے ہوں ظاہر ترے اسرارِ عشق

ہو مرا ہر شعر ایسا دردناک
جس سے پیدا ہو ترا ہی عشقِ پاک

عشق سے تیرے رہوں میں جامہ چاک
دردِ دل سے لوں میں تیرا نام پاک

جو بشر بھی سُن لے میری آہ کو
بس تڑپ جائے وہ تیری چاہ کو

عشق سے اپنے تو دل کو طُور کر
نُور سے اختر کا دل معمُور کر

نوٹ : " " ایسے نشانوں کے اندر جو اشعار ہیں وہ مولانا رومی کے ہیں۔

حکایت حضرتِ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

عرصہ تک ڈاکہ ڈالتے تھے، یک بیک جذبِ غیبی سے سچی توبہ کی اور فضلِ الٰہی سے ولیِ کامل ہوگئے۔ ہزاروں انسان آپ سے مرید ہوکر سچے انسان بن گئے۔

اب سنو تم قصّۂ حضرت فضیلؒ ۔۔۔ ہے عجبؓ قصہ بھی یہ بندرجہ ذیل

اِک زمانہ تک رہے یہ ڈاکہ زن ۔۔۔ ڈاکوؤں کے تھے یہ سردارِ کہن

کانپتا تھا ان سے ہر اِک مردوزن ۔۔۔ لُوٹتے تھے مال در چشمِ زدن

لُوٹتے تھے مال و دولت کو یہ جب ۔۔۔ اِک رجسٹر میں لکھا کرتے تھے سبؓ

ایک دن جنگل میں اک بارات تھی ۔۔۔ راہ پر آنے کی ان کی رات تھی

گروہ چاہے پاک ہو ہر اِک پلید ۔۔۔ فضل سے ان کے نہیں کچھ بھی بعید

تھا اسی بارات میں اِک مردِ حق ۔۔۔ رکھتا تھا جو دل میں اپنے دردِ حق

رات کو پچھلے پہر وہ جانِ پاک ۔۔۔ پڑھ رہی تھی درد سے قرآنِ پاک

ایک آیت جب تلاوت ہوگئی ۔۔۔ از کرم ان کو ہدایت ہوگئی

آہ اس آیت کا یہ مفہوم ہے ۔۔۔ مجھ سے کیوں بندہ مرا محروم ہے

وقت کب آئے گا مومن کے لیے ۔۔۔ کہ جھُکے دل اس کا طاعت کے لیے

بوم کو ویرانہ ہے گرچہ احب   پر دلِ بُلبُل وہاں لگتا ہے کب

کام بُلبُل کا گُلِ خنداں سے ہے   بوم کو اُلفت سدا ویراں سے ہے

غیب سے دل میں ندا آئی فضیل   توبہ کر بن حق کا شیدائی فضیل

فاسقانہ زندگی کب تک فضیل   مجرمانہ زندگی کب تک فضیل؟

موت اِک دن آئے گی آخر فضیل   پاس میرے لائے گی آخر فضیل

ختم ہوگی سرکشی اک دن ضرور   مجرمانہ آؤ گے میرے حضور

اے فضیل اب ترک کر اس کام کو   سوچ ان اعمال کے انجام کو

"آدما[۱] معنیٔ دلبندم بجو   ترک قشر و صورت گندم بگو"

ذکرِ حق ہی ہے غذا اس روح کی   اور دوا ہے یہ دلِ مجروح کی

یادِ حق سے ہر گدا سلطان ہے   یادِ حق سرمایۂ ایمان ہے

ترک کر غفلت کو اب جا ذکر کر   آخرت کی رات دن اب فکر کر

اے فضیل اب مجھ سے تو جاہل نہ رہ   مجھ سے اِک لمحے کو بھی غافل نہ رہ

میں تجھے چُنتا ہوں اپنے واسطے   کب کوئی بنتا ہے اپنے آپ سے

مال جن لوگوں کا تو نے لے لیا   ظلم تو نے جس کسی پر بھی کیا

[۱] مولانا رومی حکایۃً عن الحق فرماتے ہیں کہ اے لوگو میرے نام کی لو اور میری محبت کی لذت ڈھونڈو۔ گندم کی صورت اور اس کے چھلکے کی خواہش ترک کردو۔

جس جگہ ڈاکہ زنی کی تھی فضیل ‏ ‏ ‏ ان سے کر درخواست معافی کی فضیل

کر تواب ہر ایک سے معافی طلب ‏ ‏ ‏ اور کوشش کر کے دے سب بے طلب

الغرض بابا فضیل از فضلِ حق ‏ ‏ ‏ ہر طرح سے ہو گئے اب اہلِ حق

امرِ حق سے ہر جگہ پہنچے فضیل ‏ ‏ ‏ کر رہے ہیں گریہ و نالے فضیل

ہر طرف مخلوق میں شُہرہ ہُوا ‏ ‏ ‏ ڈاکہ زن از فضل پیرِ رہ ہُوا

ڈاکہ زن کو جو کرے اپنا ولی ‏ ‏ ‏ اس کی رحمت کا ہے اندازہ کوئی

حیرت اندر حیرت اندر حیرت است ‏ ‏ ‏ رحمت اندر رحمت اندر رحمت است

جانِ عارف ہو گئی جانِ فضیلؒ ‏ ‏ ‏ ہو گئی خلقت بھی قُربانِ فضیلؒ

ایک ان کو کیا ولایت مل گئی ‏ ‏ ‏ ساری خلقت کو ہدایت مل گئی

کل جو تھا بدنام و بدخصلت فضیل ‏ ‏ ‏ آج فضلِ حق سے ہیں حضرت فضیلؒ

کل جو رہزن تھا جو بدکردارِ راہ ‏ ‏ ‏ آج فضلِ حق سے ہے سردارِ راہ

دوستو شجرہ میں اُن کا نام ہے ‏ ‏ ‏ فیضِ نسبت اُن کا اب تک عام ہے

تم کسی انساں کو مت جانو حقیر ‏ ‏ ‏ کیا عجب ہو رحمتِ حق دستگیر

ان کی رحمت سے نہیں کچھ بھی بعید ‏ ‏ ‏ گبر صد سالہ ہو پل میں بایزیدؒ

حکایت

ایک صاحبِ نسبت بزرگ کی کہ اُن کے سات بیٹوں
کا جنازہ بیک وقت اُن کے سامنے تھا اور اُف نہ کی راضی برضائے مولیٰ تھے

اِک حکایت مردِ صابر کی سُنو — ہے عجب یہ داستاں اے دوستو

صاحبِ نسبت کوئی تھے مردِ حق — سات بیٹے ان کے تھے از فضلِ حق

اور سب تھے حافظِ قرآن بھی — نیک سیرت باعمل اِنسان بھی

جب کہ مسجد میں یہ ہوتے سب کے سب — ایک صف ان سب کی ہوتی تھی عجب

ماہِ رمضان المبارک میں یہ سب — جب تراویح میں کھڑے ہوں پیشِ رب

دیکھ کر اولاد کی اک صف پدر — خوش کیا کرتا تھا دِل شام و سحر

خلق میں شہرت تھی کہ یہ خاندان — دید کے قابل ہے بے شک بے گمان

آٹھ مردوں کی یہ صف تھی مستقل — اور تھا ہر ایک ان میں اہلِ دل

دیکھ کر کے اِس جماعت کا سماں — خوش ہوا کرتا تھا ہر پیر و جواں

دُوسرے ہوتے تھے خوش جب دیکھ کر — کیوں نہ خوش ہو باپ کا قلب و جگر

اب سُنو تم قصّہ خونِ جگر — دوستو اپنا کلیجہ تھام کر

آ گئی طاعون کی ایسی وبا — سات بیٹے مر گئے سب از قضا

سات بیٹوں کا جنازہ سامنے ؎ آہ جب رکھا گیا ہے باپ کے

باپ پر سکتہ سا طاری ہو گیا ؎ صبر کا اک حال غالب ہو گیا

دیکھتی تھی باپ کو خلقِ خدا ؎ ایک قطرہ بھی نہ آنسو کا گرا

از قضائے حق تھا راضی مردِ حق ؎ شاد باش اے صاحبِ تفویضِ حق

بعض تھے نادان کچھ ایسے بشر ؎ معترض تھے دیکھ کر صبرِ پدر

یعنی آپس میں کہا کہ یہ بشر ؎ اپنے پہلو میں نہیں رکھتا جگر

خلق روتی ہے یہ منظر دیکھ کر ؎ ہائے اِس کی کیوں نہیں ہے چشم تر

یہ پدر رکھتا ہے پتھر کا جگر ؎ ورنہ روتا خونِ دِل خونِ جگر

باپ کو جب یہ خبر پہنچی کہ آہ ؎ خلق مجھ کو سنگدل کہتی ہے آہ

شدّتِ غم سے جو کھینچی ایک آہ ؎ آ گیا باہر کلیجہ منہ کی راہ

غلبۂ تفویض سے صبرِ پدر ؎ پی رہا تھا خونِ دِل خونِ جگر

صبر سے گھٹ کر کلیجہ خوں ہوا ؎ آہ کرنے سے وہی بیروں ہوا

"کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر"[1] ؎ گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر"

[1] پاک بندوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو گرچہ لکھنے میں شیر اور شیر صورت میں ایک جیسے ہیں لیکن ایک شیر جانور ہے اور دوسرا دودھ کے معنی میں ہے۔ یہ شعر مولانا رومی علیہ الرحمۃ کا ہے۔

روایت : ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں نے
سرورِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی فرمائش پر یکے بعد دیگرے سو شعر سنائے۔
(حتی انشدت مأة بیت ۔تفسیر قرطبی، جلد ۱۳، صفحہ نمبر ۱۴۵)

مثنوی اُردو

اے برادر سُن نشانِ عاشقاں
ہوں گے آنکھوں سے کبھی آنسو رواں

اور کبھی دیکھو گے چشمِ خونفشاں
اور خلوت میں کبھی آہ و فغاں

ان کو سمجھو از گروہِ عاشقاں
دل میں ہو گا بالیقیں دردِ نہاں

جامع الاضداد ہیں یہ عاشقاں
لب ہیں خنداں دل میں ہے سوزِ نہاں

پیروی سنت کی ہر دم ہو عیاں
اور بدعت سے ہوں سب متنفراں

جو کرے ہے پیروِی رہبراں
منزلِ مقصود پر ہے کامراں

میرے آب و گل میں دے دردِ نہاں
یعنی دردِ عشقِ جانِ صادقاں

میری جاں کو دے دے جانِ عاشقاں
یعنی جانِ اولیائے صادقاں

میرے مالک مجھ کو دے وہ قلب و جاں
جو فدا ہوتے ہیں تجھ پر ہر زماں

یاد تیری ہے عطائے دو جہاں
اور غفلت ہے سزائے دو جہاں

ان کا آغوشِ کرم اور میری جاں
سر اُٹھاؤں کس طرح از آستاں

جان میں جس نے نہ پایا ربِّ جاں
فائدہ کیا اُس کو از دیدِ جہاں

سلطنت کیا اور کیا سُلطانیاں
لطف جو پاتی ہے جانِ عارفاں

بحر و بر شمس و قمر اور گلستاں
ہوں فدا تجھ پر خدائے دو جہاں

ہوں فدا تجھ پر زمین و آسماں
اختراں صد اختراں صد اختراں

یہ دُعا رومی کی ہے اے دوستاں
خوب چمکے آفتابِ عاشقاں

ہو سدا سر سبز ان کا بوستاں
اور نہ ہرگز آسکے اُس میں خزاں

لطف جینے کا اسے حاصل کہاں
عاشقِ حق سے رہے جو بد گماں

مت ستم کر بر ضعیفانِ جہاں
چشم نم ہے آہ سوئے آسماں

گر نہ ہو توفیق از فضلِ نہاں
چھوٹتے ہیں کب گنہ از عاصیاں

کوئی ہو سکتا نہیں ان کا یہاں
ہاں مگر ہو فضلِ ربِّ دو جہاں

نفس و شیطاں سے نہیں چھٹتی ہے جاں
ہاں مگر جس کو چھڑا لے شاہِ جاں

گر خدا چاہے تو رسوائے جہاں
دم میں ہو جائے وہ سلطانِ زماں

قلب میں پائے گا لطفِ دو جہاں
جس کا دل خالی ہو از عشقِ بتاں

بلکہ پا جائے گا ربِّ دو جہاں
دل اگر تائب ہو از حسنِ بتاں

دِل سے توبہ کر لے از حُسنِ بُتاں
ترک کر دے ساری نافرمانیاں

دُور ہو جائیں گی سب بے چینیاں
خوش ہُوا جس وقت ربِّ دو جہاں

خوش ہُوا جس سے بھی وہ سلطانِ جاں
خوش رہے گا دوستو وہ ہر زماں

گر نہیں خوش خالقِ کون و مکاں
خوش نہیں رہ سکتا وہ در دو جہاں

نورِ تقویٰ کا اثر ہے دوستاں
قلب کیسا ہے تمہارا شادماں

ہے گنہگاروں کا دل ناشادماں
کِس قدر بے چین ہیں وہ ہر زماں

شیخ کا دیکھو تو یہ فیضِ عیاں
صاحبِ نسبت ہوئے ہیں سالکاں

رہتے ہیں دُنیا میں بے نام و نشاں

اور باطن رشکِ صد سلطانیاں

صاحبِ نسبت اگر ہو بے زباں

چشمِ نم اس کی ہے رشکِ صد بیاں

ربط ہے از خالقِ کون و مکاں

چشم ہے غمّازِ اسرارِ جہاں

اس کا صحرا بھی ہے رشکِ گلستاں

اور غم ہے اس کا رشکِ شادیاں

جسمِ عارف گو ہے مثلِ لاغراں

قلب میں ہے وسعتِ ہفت آسماں

جس کا ہے یار و خُدائے دو جہاں

کیا کریں گے اس کا یہ نامہرباں

اِس لیے غافل ہے از شیخِ زماں

عِلم کا پندار ہے دل میں نہاں

اِک ذرا ہمت کرو اے دوستاں
نفس کو مارو ذرا اے سالکاں

کچھ نہیں مشکل کہ خلاقِ جہاں
عاصیوں کو فضل سے دے معافیاں

خاص کر جو تائبیں ہیں در جہاں
روزِ محشر دیکھنا ان کا مکاں

متّقیں کے ساتھ ہوں یہ تائباں
ہے یقیناً ثمرۂ مستغفراں

یہ مرے اشعار یہ آہ و فغاں
نصف شب کے بعد ہیں اے دوستاں

ذکرِ حق ہی ہے غذائے عاشقاں
اور غفلت ہے غذائے فاسقاں

اور انابت سوئے ربِّ دو جہاں
دائماً ہے خوئے جانِ صادقاں

جس کو اُڑنا ہو گا سُوئے آسماں
دیکھے گا سُوئے فلک وہ ہر زماں

جانور دیکھے زمیں سے ہے ہر زماں
ہر پرندہ دیکھتا ہے آسماں

دولتِ عشاق ہو کیسے بیاں
آہ جو ہو رشکِ صد سلطانیاں

بے قدر ہیں پیشِ جانِ عارفاں
ایں جہاں و صد جہاں و صد جہاں

چاہتا ہے جس کو وہ سلطانِ جاں
جذب کر لیتا ہے از راہِ نہاں

گر کرم فرمائے ربِّ دو جہاں
رندِ صد سالہ ہو فخرِ صوفیاں

استقامت کر عطا اے ربِّ جاں
بڑھ کے نعمت ہے یہی از دو جہاں

گر کرم ہو آپ کا اے مہرباں

مغفرت پا جائیں تیرے مجرماں

آپ پر قرباں ہمارے قلب و جاں

عاصیوں کو بخش دے ربِّ جہاں

تو نہ بخشے گا تو جائیں گے کہاں

اے مرے سلطانِ دیں سلطانِ جاں

رحمتیں ماں باپ کی ربِّ جہاں

ہیں یقیناً تیرا ہی لطفِ نہاں

تیری رحمت کا ہے یہ حصہ سواں

جس سے ہیں ماں باپ ہم پر مہرباں

روزِ محشر سو گُنا رحمت کا واں

شان کیا ہو گی جو ہو گی سب عیاں

تیری رحمت پر بھروسہ مجرماں

اے خدا کرتے ہیں ہم سب تائباں

ہو شفاعت پھر شفیعِ مذنباں
آپ ہوں گے کتنے ہم پر مہرباں

ہو نہیں سکتا تصور بھی یہاں
روزِ محشر جو کرم ہوگا وہاں

آپ کی رحمت کا بحرِ بے کراں
ہے وسیع تر از گناہِ عاصیاں

یومِ دیں ممنون ہوں گے مجرماں
آپ کی رحمت جو پائیں گے وہاں

رحمتِ ذخّار فضلِ بیکراں
میرے جرموں کا اُڑا کوہِ گراں

اور جنّت میں تو پہنچا دے وہاں
بے سزا اور بے حسابِ عاصیاں

خاک پر یہ آپ کا لطفِ نہاں
ہیں مرے اشعار ان کے ترجماں

آپ مجھ کو معاف کر دیں گر وہاں
آپ پر قربان میرے قلب و جاں

آپ ہی سے ہے اُمیدِ مؤمناں
آپ ہی سے ہے امیدِ عاصیاں

اے خدائے پاک ربِّ دو جہاں
آپ پر قرباں مری آہ و فغاں

آسرا میرا نہیں در دو جہاں
ہاں مگر تیرا کرم اے ربِّ جاں

بخش دے مجھ کو کہ تو ہے مہرباں
تو نہ بخشے گر تو مَیں جاؤں کہاں

دوستو مالک ہو گر مہرباں
یاد ان کی آئے گی مجھ کو کہاں

جب خُدا ہوتا ہے ہم پر مہرباں
ہم فدا کرتے ہیں اُس پر قلب و جاں

جس کو دیکھو مائلِ ربِّ جہاں

وہ یقیناً پا گیا جذبِ نہاں

اے خدا اس خاک پر ہو مہرباں

اور بنا لے اپنا از فضلِ نہاں

جب ہو سُوئے آسماں آہ و فغاں

پھر بلا ہرگز نہیں اے دوستاں

اِس بلا سے سُن لو تم اے غافلاں

اپنی جانب کھینچتے ہیں مہوشاں

جب نہ ہو مالک سے فریاد و فغاں

در حقیقت وہ بلا ہے دوستاں

اُن سے غفلت ہے بلائے ناگہاں

اور توبہ رحمتِ سلطانِ جاں

ہے دُعا از خالقِ برقِ جہاں

طائرِ خستہ کا ہے یہ آشیاں

مہرباں ہو خالقِ برقِ جہاں

آشیاں کا کیا کریں گی بجلیاں

مانتا ہوں چل رہی ہیں آندھیاں

بُجھ نہیں سکتا چراغِ عاشقاں

عِشق کب ہوتا ہے محتاجِ بیاں

ہے زباں خاموش لیکن ہے عیاں

نُورِ نسبت کی عیاں ہیں جھلکیاں

غور سے دیکھو تو چشمِ عارفاں

شرط یہ ہے ہو نہ چشمِ بدگماں

ورنہ تھے محروم از پیغمبراں

توبہ کی برکت تو دیکھو دوستاں

اَولیاء ہیں دم کے دم میں عاصیاں

فاسقاں ہوتے ہیں جب بھی تائباں

ہوتے ہیں محبوبِ ربِّ دوجہاں

میرے ان اشعار کی اے دوستاں

قدر کرتے ہیں جو ہیں روحانیاں

میرے ان اشعار سے اے دوستاں

لُطف لیتے ہیں جو ہیں ربانیاں

طعنہ زن ہیں جو بھی ہیں نفسانیاں

ہنس رہے ہیں جو ہیں ان کے حاسداں

غور سے سُن لو ذرا اے مجلسیاں

یہ جہاں پورا ہے میرا آشیاں

جب خُدا مجھ پر ہے میرا مہرباں

کیا کریں گے پھر یہ سب نامہرباں

پھُونک کر کے خود ہی اپنا آشیاں

ترک ہم نے کر دیا خود گلستاں

کُل جہاں ہے اب ہمارا آشیاں

سارا عالم ہے ہمارا گلستاں

جب سے دل میں ہے مرے سلطانِ جاں
دل میں ہیں جیسے مرے ہفت آسماں

عالمِ ناسوت ہو کیوں آشیاں
عالمِ لاہوت ہو جب گلستاں

اِس گلستاں میں تو آتی ہے خزاں
اُس گلستاں میں بہارِ جاوداں

ہے فِدا صیّاد پر طائر کی جاں
ہے قفس اب اُس کا رشکِ آشیاں

اس طرح تھا باغباں کب مہرباں
جِس طرح صیاد ہے اب مہرباں

خانقاہیں ہیں ہمارے آشیاں
مست رہتے ہیں یہاں روحانیاں

یک زمانے صحبتِ ایں عارفاں
رشکِ تاج و رشکِ صد سلطانیاں

ہوں فدا بر عارفاں ایں قلب و جاں

صد جہاں و صد جہاں و صد جہاں

جن کی صحبت سے ملے سُلطانِ جاں

کیوں فدا کر دیں نہ ان پر قلب و جاں

بور تے پر گرچہ ہیں تسبیح خواں

دِل میں ہے صد قیصر و کسریٰ کی شاں

خالقِ خورشید ہو دل میں عیاں

نور دل سمجھے گا کیا ان کا جہاں

نورِ باطن نورِ جانِ عارفاں

رشکِ نورِ مہر و ماہ و اختراں

وسعتِ کون و مکاں ہفت آسماں

ہے محیط نور باطن عارفاں

ہے بظاہر ان کی جانِ ناتواں

جان میں ان کی ہے لیکن شاہِ جاں

جانِ عارف ہے امامِ سالکاں
ہے بناتی گمرہوں کو رہبراں
ہے یہی بس حاصلِ آہ و فغاں
ہو فدا تجھ پر سدا اخترؔ کی جاں

طوافِ حرم

کہاں یہ میری قسمت یہ طواف تیرے گھر کا
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

مزاحِ
مفیدِ لطیف
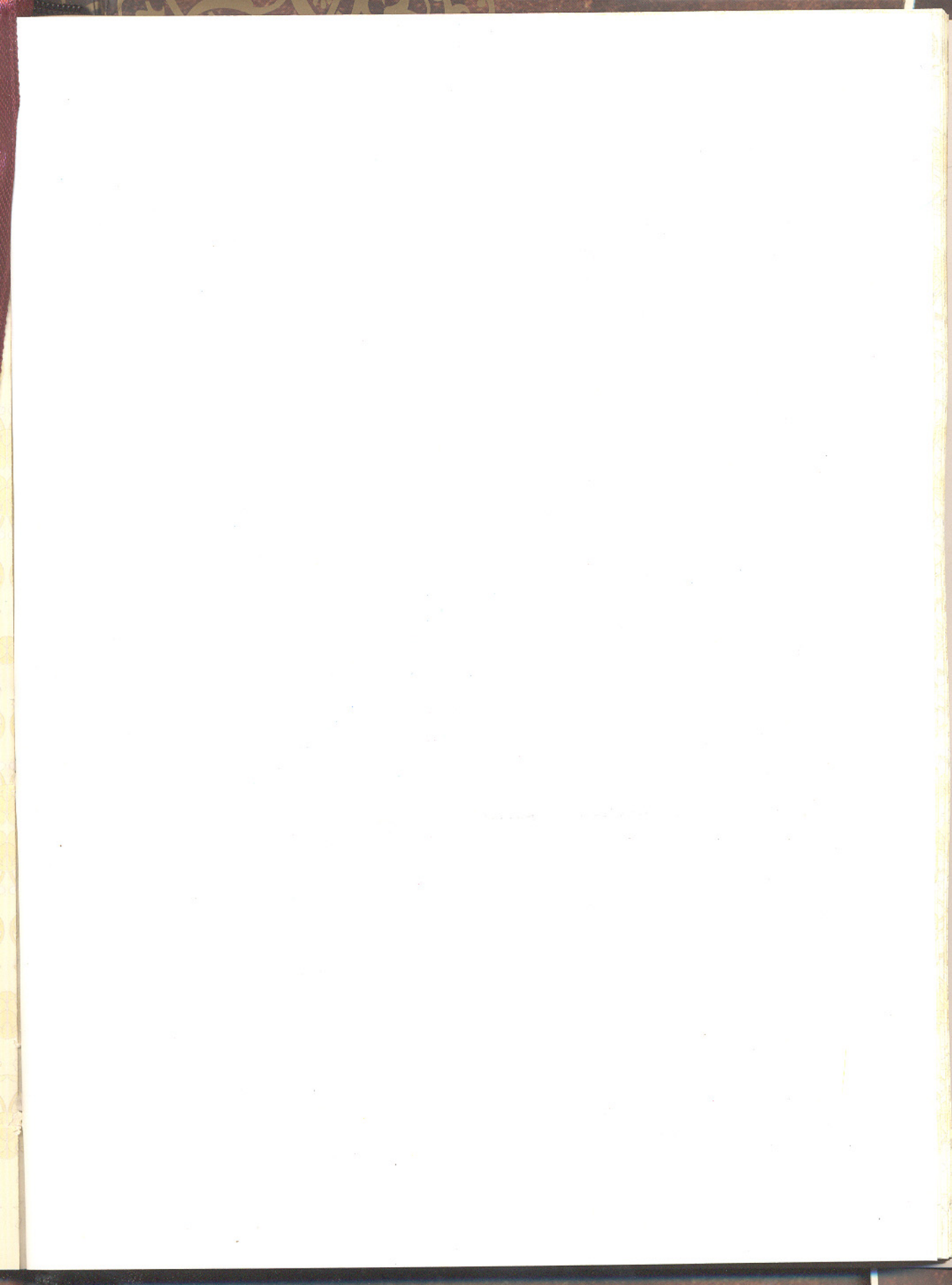
بابُ المزاح

خواجہ صاحبؒ کا شعر ہے ؎

یہ رحمت ہے خدا کی خوش مزاجی خوش دِلی میری
میں روتوں کو ہنسا دوں غمزدوں کو شادماں کردوں

محبّی و محبوبی مرشدی و مولائی عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم اس شعر کے مصداق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا کو ایسی خوش طبعی و خوش مزاجی عطا فرمائی ہے کہ جو ایک بار حضرت والا کی مجلس میں آجاتا ہے حضرت کی بلندی اخلاق و سادگی، بے تکلفی و محبّت، شفقت اور خوش طبعی سے حضرت والا کا گرویدہ ہوجاتا ہے ؎

تری ہزار ادائیں مگر انوکھی ایک
وہ خاص بات جو یارانہ گفتگو میں ہے

اور نو وارد کی وحشت طبعی اور اجنبیت بہت جلد مبدل بہ اُنس ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے اپنا دُکھ درد اور حالِ دل بیان کر کے استفادہ کرنا اس کو آسان ہوجاتا ہے کیوں کہ جب تک طالب کا دل مرشد کے ساتھ نہ کھلے استفادہ مشکل ہوتا ہے۔ کیسا ہی مایوس اور شکستہ دل آجائے حضرت والا کی مجلس سے امیدوں کے

سیکڑوں آفتاب اپنے قلب میں لے کر اُٹھتا ہے ؎

نیست معشوقی ہمیں زُلفِ چلیپا داشتن
دردِ سر بسیار باشد پاسِ دلہا داشتن

مقامِ مشیخت یہ نہیں ہے کہ زلفیں بڑھا لی جائیں بلکہ دلوں کا پاس رکھنا اور دلوں کی تربیت ہے جو بڑا دردِ سر ہے کوئی آسان کام نہیں۔ صالح ہونا اور ہے مصلح ہونا اور ہے۔

حضرتِ والا کے مزاح میں بھی اصلاح ہوتی ہے۔ مزاح کے انداز میں بڑے حقائق اور نفس کی اصلاح اور حسن وعشق کی فنائیت اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ دل ان فانی لذتوں سے سرد ہوجاتا ہے مثلاً ؎

کمر جھک کے مثلِ کمانی ہوئی
کوئی نانا ہوا کوئی نانی ہوئی
ان کے بالوں پہ غالب سفیدی ہوئی
کوئی دادا ہوا کوئی دادی ہوئی

اور ؎

لڑکی اماں بن گئی پھر نانی ہوگئی
تاریخ حُسن وعشق کی یوں فانی ہوگئی

رُسوائیِ دوام نافرمانی ہو گئی
اور قلب و جاں کی اس طرح ویرانی ہو گئی

لیکن حضرتِ والا اپنے خدام کو یہ نصیحت بھی فرماتے رہتے ہیں کہ تنہائیوں میں خدا کے سامنے خوب روؤ گریہ وزاری کرو لیکن مخلوق خدا کے سامنے ہنسو، خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھو، زیادہ غمگین رہنے سے آج کل نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، مزاح اور خوش مزاجی کے متعلق حضرتِ والا کا شعر ہے ؎

ہنس ہنسا کر دل کو بہلاتے ہیں ہم
مار دیتے ورنہ یہ اندوہ و غم

اور اہل اللہ کی ہنسی اور غافل کی ہنسی میں کیا فرق ہے ؟ فرماتے ہیں ؎

لب ہیں خنداں جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم
غافل کی ہنسی اور ہے ذاکر کی ہنسی اور
صابر کی ہنسی اور ہے شاکر کی ہنسی اور

اب حضرتِ والا کے اس نوع کے بعض اشعار نقل کرتا ہوں جن میں اکثر مزاح کے باوجود لطیف انداز میں اصلاح کی باتیں ہیں مثلاً حُسنِ مجازی کے چکر میں رہنے

والوں کے کرب و غم اور ضیاعِ وقت کے بعد حُسن سے دست برداری اور توبہ کو کس دلچسپ انداز سے بیان فرمایا ہے۔ زبان اور محاورہ کی بلاغت عجیب و غریب ہے

میر نے اُس بت کا جب پیچھا کیا
کرب و غم نے میر کا پیچھا کیا
اپنے پیچھے کا جو غم دیکھے ہے میر
اس کے پیچھے کا نہ پھر پیچھا کیا

حسن و عشق کا آخری انجام - قبرستان

چوہے مرے پڑے ہیں مسمار بل ہوئے ہیں
طوفانِ عشق بازی ساحل پہ آ پڑے ہیں

یعنی نسلِ انسانی کے اعضائے لذّت موت کے بعد قبر میں تباہ اور مسمار ہو جاتے ہیں اور عشق بازی کے سارے طوفان اور ہنگامے قبرستان کے ساحل پر آ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں حضرت والا نے یہ شعر مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو سُنایا تو حضرت مفتی صاحب بہت محظوظ ہوئے

جعلی پیر - مُرغوں کا قبرستان

بہت سے مُرغے بنا کے مدفن ترے بدن میں جو سو گئے ہیں
اُنہیں کے دم سے یہ تیرے اعضا بھی موٹے موٹے سے ہو گئے ہیں

دعویٰ جاں بازی اور عملی تضاد

بعض سیاسی جماعتیں جو اسلام کا نام لے کر صرف کرسیٔ اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں اور لوگوں کو خدمتِ اسلام کا فریب دے کر قربانی کی کھالیں وصول کرکے اس سے الیکشن کے پوسٹر شائع کرتی ہیں، حالانکہ قربانی کی کھالوں کا مصرف صرف غربا و مساکین پر صدقہ ہے ان سے پوسٹر شائع کرنا جائز نہیں۔ اُن کے لیے حضرتِ والا نے یہ شعر فرمایا ؎

اگر دعویٰ ہے جاں بازی کا میدانِ سیاست میں
الیکشن لڑ رہے ہیں کیوں وہ قربانی کی کھالوں سے

ایک نوجوان عالم صاحب جو حضرتِ والا سے بیعت بھی ہیں، اُسترے سے سر صاف کرا کے تشریف لائے تو حضرت مرشدی نے فرمایا کہ سر پر اُسترا پھیرنے سے حُسن جاتا رہتا ہے، اسی لیے ہمارے بزرگوں کا معمول ہے کہ مدرسہ کے بے ریش طلباء کا سر اُسترے سے منڈوا دیتے ہیں تاکہ فتنہ نہ پیدا ہو۔ پھر فی البدیہہ یہ شعر فرمائے ؎

یہ بولی کھوپڑی حُسنِ بُتاں کی
ضرورت کیا ہے اب آہ و فغاں کی
عنادل سے یہ جا کر میرؔ کہہ دو
عجب بگڑی ہے حالت گُلستاں کی

گُلِ افسردہ سُن کر ہنس رہے ہیں
ابھی کچھ سِسکیاں نالہ کُناں کی
عنادل چشمِ نم سے ہیں پشیماں
کوئی قیمت نہیں اشکِ رواں کی
ابھی کچھ ہیں کبھی کچھ اور ہوں گے
یہی تاریخ ہے حُسنِ بُتاں کی
گُلِ تر ہو گیا رخصت خزاں سے
عنادل اب کہاں جائیں یہاں سے
نشیمن اُٹھ گیا شاخِ چمن سے
پڑا پالا ہے اب دشت و دمن سے

کراچی - جون ۱۹۸۸ء

اسی مضمون پر ایک بار یہ شعر فرمایا ؎

جس کی زُلفوں پہ میر مرتے تھے
سر منڈا کر کیا سلام اُس نے

آج دوپہر ظہر کے بعد احقر راقم الحروف ملقب بہ میر حسبِ معمول حضرت مرشدی دام ظلہم العالی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ بکری کے پائے پکے تھے۔ حضرتِ والا نے فرمایا کہ بہت مزے دار شوربہ ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت! بہت مزے دار ہے۔ حضرتِ والا نے فی البدیہہ یہ قطعہ فرمایا جس میں نصیحت باندازِ مزاح ہے ؎

میر گر جاتے ہیں پائے یار پر

حُسن کے جلووں کی تابانی نہ پوچھ

حُسن بولا میر! کیا مانگے ہے مانگ

میر کی اُس دم پشیمانی نہ پوچھ

۲۸؍ شوال المکرم ۱۴۰۸؁ھ، ۱۴؍ جون ۱۹۸۸؁ء

اور ایک بار ایسے ہی موقع پر جب کہ احقر پائے کھا رہا تھا فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

سُنتے نہیں تھے جو کبھی تھوڑی سی اُس کی بات کو

کیوں کھا رہے ہیں شوق سے میر آج اُس کی لات کو

بات سے بکری کی مَیں مَیں کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ اور بلاغتِ شعری و معنویت ظاہر ہے اور ایک بار احقر مرغی کی ٹانگ کھا رہا تھا تو یہ شعر فرمایا ؎

مرغ کی محبوبیت کے نام پر   مَیں نے اس کے پاؤں کے بوسے لیے

۲۳ر جون ۸۸ء ۱۱ر بجے شب مدرسہ کے ناظم مطبخ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے ان سے فرمایا کہ بچے ہڈیاں وغیرہ چھوڑ جاتے ہیں اس کی صفائی کرا دیا کریں میرے افکار میں کمی کرو مجھے انتظامات سے مناسبت نہیں۔ اس کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے کر مرے افکارِ بیاباں کو گلستاں کردو۔ پھر برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

دردِ فرقت کا او ظالم مرے درماں کردے
مرے افکارِ بیاباں کو گلستاں کردے

۱۲ر ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ، ۲۰ر ستمبر ۸۳ء منگل۔ احقر راقم الحروف سوڈا واٹر کی بوتل لایا جس کا رنگ ہرا تھا۔ دیکھتے ہی حضرت والا نے مزاحاً یہ شعر فرمایا ؎

بُت خانہ ہری اوم سے توبہ کرے ہے میر
بوتل مگر پیتا ہے ابھی تک ”ہری ہری“

یہاں لفظِ ہری ہری ذو المعنیین ہے۔ ایک معنی تو ظاہر ہیں اور دوسرا لطیف نکتہ یہ ہے کہ اہلِ ہنود بطورِ استعجاب یہ لفظ بولتے ہیں جیسے ہم لوگ معاذ اللہ یا توبہ توبہ کہتے ہیں۔ بُت خانہ ہری اوم سے مُراد غیر اللہ ہے۔

۱۴ر ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ ۲۲ر ستمبر ۸۳ء جمعرات ساڑھے گیارہ بجے صبح حدیث شریف کے درس کے دوران فرمایا کہ نافرمانی سے موتِ جسمانی چاہے دیر سے ہو یعنی صحتِ جسمانی چاہے دیر سے متاثر ہو لیکن موتِ ایمانی فوراً ہو جاتی ہے مثلاً بدنگاہی سے حلاوتِ ایمانی فوراً سلب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُوری معصیت کے لوازم عاجلہ سے ہے۔ پھر فوراً یہ شعر موزوں ہُوا ؎

ایسی صورت سے میر باز آیا
دیکھ کر جس کو موت آتی ہے

داغِ پیری

داغِ پیری اس کے رُخ پر دیکھ کر
داغِ اُلفت میر کے سب مِٹ گئے

میر کے آنسو میں پاتا ہوں نمک
غم ہے ظالم کو کسی نمکین کا
ایک بوڑھے کو دکھایا پیر نے
اور پوچھا کیا یہی نمکین تھا؟
جس کی ڈاڑھی سے چُھپا تھا گال سب
اور مونچھوں سے لبِ شیریں تھا

انجامِ محبتِ نفسانی - بغض و عداوت

دیکھ کر کے میر کو ذلّت سے دیکھا میر کو
اور پھر چُپکے سے کِھسکا گالیاں دیتا ہُوا

کچھ بھی نہ ہُوا حاصل عشقِ بُتاں سے مومنؔ
جس لاؔتؔ[1] پر مرے تھے وہ لات مارتا ہے

اعزازِ وفاداری و عشقِ شیخ

میرؔ جب مر گئے وقفِ درِ جاناں ہو کر
اہلِ تاریخ نے اِک باب بنایا اُن کا

شکلوں سے مشکل

میرؔ جب شکلوں سے مشکل میں پڑے
پھیرتے ہیں جھاڑو اب اَشکال پر

کچھ نہ پوچھو ان حسینوں سے بڑی مشکل میں ہوں
شکل سے اِشکال میں اِشکال سے مشکل میں ہوں

۱۹؍ ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۵؍ دسمبر ۸۳ء بروز اتوار بعد ظہر ۲؍ بجے حضرتِ والا کے ساتھ احقر راقم الحروف اور ایک قاری صاحب خانقاہ میں پردے کے پیچھے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ احقر نے زور سے کہہ دیا کہ کباب بہت مزے دار ہے۔ حضرت والا نے تنبیہ فرمائی کہ آپ کو زور سے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہاں

[1] بت کا نام ہے یہاں بمعنی معشوق

غریب طلبا بھی ہیں ان کو تحسّر ہوگا کہ ہمیں یہ کھانے میسّر نہیں ۔کسی مسلمان کے تحسُّر کا سبب بننا اچھی بات نہیں ۔ احقر نے عرض کیا کہ سخت غلطی ہُوئی معافی چاہتا ہوں حسبِ عادتِ شریفہ حضرتِ والا نے دلجوئی کے لہجہ میں فرمایا (حضرت والا تنبیہ کے بعد اکثر فوراً ہی دلجوئی بھی فرما دیتے ہیں) کہ اصل میں شوق نے آپ کے ہوش کے پُرزے اُڑا دیئے اور فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

شوقِ طلب نے ہوش کے پُرزے اُڑا دیئے
ہوتا ہے پاسِ محتسب ایسے میں پھر کہاں

(احقر عرض کرتا ہے کہ بڑے بڑے شعرا۔ اور ادیب اگر انصاف کریں تو اس بے ساختگی اور کمالِ شعری پہ انگشت بدنداں رہ جائیں ۔)

جن کی آنکھوں سے وہ حیران و پریشاں ہیں ابھی
میر صاحب انہیں آنکھوں سے پشیماں ہوں گے

۹، ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ بروز دوشنبہ ۔ فرمایا کہ اپنے دینی مُربّی سے محبّت بڑھا کر پھر بھاگنا نہیں چاہیے اور مزاحًا یہ شعر فرمایا ؎

نظر مار کر میؔر بھاگا ہوا ہے
محبّت کے تھانہ میں چالان ہوگا

۱۰، ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۸، ستمبر ۸۳ء احقر دفتر سے واپس ہُوا تو

ازراہِ شفقت برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

دیکھ کر عشرت کو میری حسرتیں غائب ہوئیں
اور ذوقِ اُلفتِ اغیار سے تائب ہوئیں

ایک بار احقر حضرتِ اقدس کے پاؤں دبا رہا تھا تو فرمایا ؎

میرؔ جب دردؔ کو دباتا ہے
درد رہ رہ کے سر اُٹھاتا ہے

نوٹ : میرؔ اور دردؔ اُردو کے دو مشہور شاعر ہیں جس سے مزید لُطف پیدا ہوگیا۔

ایک بار ایک صاحب حضرت والا کے پاؤں دبا رہے تھے احقر نے بھی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ اس وقت ضرورت نہیں، پھر فوراً یہ شعر فرمایا ؎

مرے دل کو اپنی وفا دینے والے
مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے

ایک بار بنگلہ دیش میں حضرتِ اقدس نے اپنے ایک عالم خلیفہ سے فرمایا کہ جب میں واپس جانے لگوں تو آپ لوگ یہ شعر پڑھیں ؎

مرے دل کو غم دے کے اے جانے والے
مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے

ان عالم صاحب نے عرض کیا کہ ساری شکایت اس میں مجتمع ہے۔ ان کے اس جملہ سے حضرت والا بہت محظوظ ہوئے۔

۲۴؍ستمبر ۱۹۸۳ء احقر نے حضرت والا کو آم کا جوس پیش کیا تو مزاحاً فرمایا ؎

میر کا دم غنیمت ہے
چوس لو اس کا رس پانی

اور ایک بار نہایت درد سے یہ شعر فرمایا ؎

سیکھ لو طرزِ نالۂ شبگیر
جو سکھایا کرے ہے میر کا پیر

۱۲؍دسمبر ۱۹۸۳ء دو شنبہ ایک خادم سے کچھ مہمانوں کے لیے چائے لانے کے لیے فرمایا جس میں کچھ دیر ہو گئی تو فرمایا ؎

کب تلک رکھے گا ساقی تشنہ لب
لگ نہ جائیں جام سے رندوں کے لب

۴؍جنوری ۱۹۸۴ء اسلم جعفری صاحب جو حضرت والا کے ایک خاص مرید ہیں بہت دن کے بعد آئے تو حضرت والا نے نہایت محبت سے برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

گذری ہے مجھ پہ کیا کیا پوچھو مرے جگر سے
رہتے ہیں آپ غائب اکثر مری نظر سے

ایک بار صبح کی سیر کے بعد حضرتِ والا خانقاہ تشریف لاتے تو ایک صاحب جو ساتھ تھے دروازہ ہی سے رخصت ہونے لگے تو حضرتِ والا نے یہ شعر فرمائے جو اُسی وقت موزوں ہوئے ؎

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو
اگرچہ ہوں وہ دروازہ کے باہر
درونِ خانہ آسکتے نہیں وہ
گلے مل لو ذرا میران سے بڑھ کر

ایک بار فرمایا ؎

میر آؤ ذرا گلے مل لیں
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

احقر کے منہ میں پان تھا تو مزاحاً یہ شعر فرمایا ؎

رکھ کے مُنہ میں پان تمباکو قوام
کچھ بدل پاتے ہیں اُس گُلفام کے
عشرت میاں نے پان کو اس طرح سے کھایا
جیسے کہ گُل کو چونچ میں بُلبُل نے دبایا

۲۵؍ اگست ۸۳ء جمعرات آج صبح بعد فجر حضرتِ والا دامت برکاتہم حسبِ معمول سیر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے احقر راقم الحروف بھی ساتھ تھا راستہ میں ایک مرغ دکھائی دیا۔ حضرتِ والا نے مزاحاً یہ شعر فرمایا ؎

اے مُرغِ چمن ایک نظر میری طرف بھی
مدّت ہوئی ہے سبزیاں کھاتے ہوئے مُجھے

فنائیتِ حُسنِ مجاز

وہ بُتِ کافر جو آیا میر کی صورت میں آج
حُسن کا نقشِ قدم ہم دیر تک ڈھونڈا کیے

جِس بُتِ کافر کی نظروں سے مرے تھے میر کل
آج اس کو دیکھ کر روتے ہیں آنسو خون کے

۱۴؍ ذیلعقدہ ۱۴۱۴ھ ۱۲؍ اگست ۸۴ء اتوار۔ ٹنڈو جام میں بعد فجر سیر کے وقت چاروں طرف سر سبز کھیت تھے، اس وقت یہ شعر فرمایا ؎

آنکھیں جو کھولیں پی کے محبّت کا جامِ سبز
تا حدِّ نظر میر کو سبزہ نظر آیا

تلقینِ ذکرِ حق

کب تلک صحرا نوردی کا گِلہ
میر جاؤ کوئے جاناں کی طرف

ایک صاحب غمگین تھے احقر نے ان کو تسلی دی جس سے وہ خوش ہو گئے حضرت والا کو معلوم ہوا تو برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

گوشۂ خلوت میں اس کے کان میں کیا کہہ دیا
جس سے وہ ظالم لپٹ کر مست و بے خود ہو گیا

پھر فرمایا کہ مثنوی میں نقاب پوش بادشاہ کی حکایت پر یہ شعر بہت صادق آتا ہے
احقر کی بغل میں کچھ تکلیف تھی تو حضرت والا نے مزاحًا فرمایا ؎

گذرا ہے جب سے کوئی خود کو سجا سجا کے
ہنستے ہیں میر صاحب بغلیں بجا بجا کے

پھر فرمایا کہ جب حُسن زائل ہونے لگتا ہے اور چہرہ اور بغلوں پر بال رونما ہو گئے تو عشقِ مجازی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور یہ شعر فرمایا ؎

دیکھا جو بغل میں بالوں کو بغلوں کا بجانا چھوٹ گیا
اور میر کی خوشیوں کا طبلہ یوں بجتے بجتے پھوٹ گیا

حُسن پر کل جو چھایا تھا   اس کو صحرائے بے صدا پایا

وقتِ پیری شباب کی باتیں

بال و پر ہوتے ہوئے بے بال و پر کی جستجو
جیسے غم میں کوئی کرتا ہو خوشی کی گفتگو

ایک بے تکلف دوست ڈاکٹر صاحب کو دوا کے لیے حال تحریر فرمایا اور آخر میں یہ شعر تحریر فرمایا ؎

مرے دردِ دل کی دوا دینے والے
خدا تجھ کو رکھے ہمیشہ سلامت

ایک بار احقر حضرتِ اقدس کے پاؤں دبا رہا تھا تو یہ شعر فرمایا ؎

داستانِ درد جب سُنتا ہے میر
درد سے کرتا ہے سودا درد کا

پری سے پریشانی

پریشانی ملی ہے اس پری سے
پڑے پالا نہ شانِ دلبری سے

ٹی وی کے نقصانات

دیکھ کر ٹی وی کو اب ہیں لوگ ٹی بی کا شکار
جُرمِ ڈاکہ جُرم چوری جُرمِ عشقِ زُلفِ یار
دوستو ٹی وی کو وڈیو کر کے دیکھو پھر بہار
دل میں اپنے چین و راحت کی فضائے سازگار

حسرت کا ہجوم

جسمِ روشن پر ترے بالوں کی کثرت کا ہجوم
میرے جذباتِ محبّت پہ ہے حسرت کا ہجوم
ان کے سر پر یہ چند بال سفید
میری اُلفت کا ہیں جنازہ لیے

رُسوائیِ عاشقِ حُسن

میر نے حُسن کی شمشیروں کو
سرنگوں ہو کے سلامی دی ہے

ان حسینوں نے مگر میرؔ سے آج
جانے کیوں تلخ کلامی کی ہے

غمِ مستزاد

پالا پڑا ہے میرؔ کو جرمن نژاد سے
روتے ہیں آج میرؔ غمِ مستزاد سے

۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ ۱۲؍ اکتوبر ۸۴ء حضرتِ اقدس کے چھوٹے پوتے اسماعیل میاں زمین پر سر کے بل چل رہے تھے تو حضرت والا نے مزاحًا فرمایا کہ جاؤ اپنے ابا سے کہو کہ میرؔ صاحب نے جس مقام کو ۴۳؍ برس میں حاصل کیا وہ میں نے آج ہی حاصل کرلیا پھر مزاحًا یہ شعر فرمایا ؎

گذرتا جا رہا تھا سر کے بل وہ کوئے قاتل سے
کیا حاصل مقامِ میرؔ کو اِک طفلِ مکتب نے

اپریل ۸۵ء میں سفر آزاد کشمیر سے واپسی کے وقت وہاں کے ایک پروفیسر مسمّٰی نسیم صاحب نے عرض کیا کہ میرے کپڑے میلے ہو رہے ہیں ورنہ میں حضرت والا کے ساتھ پنڈی تک جاتا۔ حضرتِ والا نے فرمایا کہ ایسے ہی چلو۔ قلب کو سنوارنے کی فکر کرو، قالب کی فکر چھوڑ دو، قلب سنور گیا تو ایسے سو قالب عطا ہو جائیں گے ۔ پھر فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

خوشبو گلوں کی تیری قبا پر نثار ہے
بادِ نسیم زینتِ جامہ کی فکر چھوڑ

یہ شعر سن کر پروفیسر صاحب ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگئے تو حضرتِ والا نے فوراً دوسرا شعر فرمایا ؎

جانے نہ دیا باغ سے بادِ نسیم کو
پکڑا گلوں نے اِس طرح دامن نسیم کا

لفظ نسیم کی رعایت حضرت والا کے ذوق شعر و ادب کی غماز ہے لیکن ان اشعار سے حضرتِ والا کی محبت انگیز دعوۃ الی اللہ کا رنگ بھی ظاہر ہے ۔

ایک بار ایک معمر شخص اپنی جوانی کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے کہ جوانی نے مجھ کو تباہ کر دیا ان کی اصلاح کے لیے جواب میں حضرتِ والا نے یہ شعر فرمایا ؎

اے عالمِ شباب تجھے کیا برا کہوں
مَیں ہی بُرا تھا ورنہ ترا کیا قصور تھا

پھر ان صاحب نے پوچھا کہ کیا بڑھاپے کے سجدوں سے کام بنے گا تو حضرتِ والا نے برجستہ یہ شعر فرمایا اور اللہ کی رحمت کا امیدوار بنا دیا ۔

نہیں تھے رائیگاں زاہد بڑھاپے کے یہ سجدے بھی
کہ ان سجدوں کی برکت سے ملی جنّت بھی رندوں کو

آفتاب نام کے ایک شخص حضرتِ والا سے بیعت ہوئے ان کی تالیفِ قلب کے لیے یہ شعر فرمایا ؎

اللہ کی قدرت ہے کہ اِک آفتاب کو

اخترؔ لیے پھرتا ہے بغل میں لیے ہوئے

ایک بار مزاحاً فرمایا کہ مجنوں کو اگر لیلیٰ مل جاتی تو صحرا کی خاک نہ چھانتا اور یوں کہتا ؎

سامنے لیلیٰ ہو تو صحرا نوردی کو طلاق

کِس طرح سے چھوڑ کر لیلیٰ کو بن مانس بنوں

مدینہ منوّرہ میں ایک ڈاکٹر صاحب نے حضرتِ والا کی دعوت کی جس میں شامی کباب بہت مزے دار تھے تو حضرتِ والا نے اس کی یوں تعریف فرمائی ؎

کچھ نہ پوچھو کباب کی لذّت

ایسی جیسی شباب کی لذّت

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کباب کی آج تک کسی نے ایسی تعریف نہیں کی۔

۸۹ء میں سفرِ ہند کے دوران ڈابھیل شہر میں احقر راقم الحروف گرمی کی وجہ سے اپنا کُرتہ اُتارے ہوئے تھا کہ حضرتِ اقدس تشریف لے آئے اور احقر سے مزاحاً فرمایا کہ کیا عاشقانِ مجاز کے علاج کے لیے اپنا بدن دکھا رہے ہیں (احقر کے جسم پر بہت زیادہ بال ہیں) پھر یہ شعر فرمایا ؎

گلبدن کے عشق سے پائے شفا

دیکھ لے جو میر صاحب کا بدن

توبہ کرلی حُسن سے ہر ایک نے
دیکھتے ہی میر صاحب کا بدن
بلبلوں نے چیخ ماری مثلِ زاغ
جب خزاں نے کردیا ویراں چمن

پھر فرمایا کہ آپ کا نام بالوں کی مناسبت سے خارِ مُغیلاں رکھ دیا جائے پھر غایت شفقت سے یہ شعر فرمایا ؎

تجھ سے خارِ غم مرے رشکِ تبسّم ہوگئے
اے مرے خارِ مُغیلاں رشکِ گُل رشکِ چمن

علاجِ حُسن پرستی

اُس کا بچپن تُو نے دیکھا ہے اگر
اُس کے پچپن کو بھی دیکھا چاہیے
داغِ میلانِ بُتاں کا سُن علاج
میر کی صورت کو دیکھا چاہیے

ایک عالم جن کو حضرتِ اقدس نے مستثنٰی کے قواعد پڑھائے تھے ایک بار کہنے لگے کہ صرف حضرتِ والا کی برکت سے یہ احساس ہوا کہ واقعی سلوک میں

سب سے بڑا مجاہدہ نظر کی حفاظت ہے ۔ اب تک سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے جس پر حضرتِ والا نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا جس سے وہ بہت محظوظ ہوئے ؎

عِشق کی ویرانیوں سے کوئی مستثنیٰ نہ تھا
جِس کو مستثنیٰ پڑھا یا وہ بھی مستثنیٰ نہ تھا

بنگلہ دیش کے ایک عالم صاحب جن کا نام قمر ہے تصوّف کے قائل نہ تھے اور حضرت کی مجلس میں نہیں آتے تھے، بعد میں ایک خواب دیکھا اور حضرتِ والا کی صحبت میں آنے جانے لگے اور صوفی بن گئے ان کے لیے یہ شعر فرمایا ؎

وہ جو بیداری میں بھاگے خواب میں پکڑے گئے
اور زنجیرِ محبّت میں قمر جکڑے گئے

انجام بینی

بھانپ کر کے ہر بُنِ مُو سے طوالت بال کی
اس بُتِ بے بال و پر سے مَیں گریزاں ہو گیا

انجام فراموشی

زندگی ضائع ہوئی صحرا و خارستان میں
وائے نادانی کہ اس کو گلستاں سمجھا تھا مَیں

حُسنِ مجازی کا انجام

ہونٹوں پہ اُن کے مونچھ ہے گالوں پہ ڈاڑھیاں
اب ختم ہیں سب عشق و جنوں کی کہانیاں
پٹڑی ہی جب اُکھڑ گئی حُسن و جمال کی
اب کس طرح چلیں گی محبّت کی گاڑیاں
جو تھے شگفتہ و تر و تازہ بہ شکلِ گُل
دَورِ خزاں میں اب ہیں وہ کانٹوں کی جھاڑیاں

ڈاکٹر قرار صاحب حضرتِ والا کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے اور حسبِ عادت لطیفے سُنا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا حضرت میں دوسرے کمرہ میں جا رہا ہوں، ذرا وہاں بیٹھوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ جائیے آپ کو چائے لے جا رہی ہے جو آپ میر صاحب کے ساتھ پیتے ہیں اور فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

مَیں سمجھتا ہوں پینے والوں کو
جام و مِینا پہ جینے والوں کو

ایک بار احقر سے یوں مزاح فرمایا ؎

نالۂ میرؔ میں مُرغوں کی کچھ آواز سُنی
حاصلِ آہ و فغاں میرؔ کی، مُرغی نکلی
ہم سمجھتے تھے کہ روتا ہے خُدا کی خاطر
حاصلِ اشکِ محبّت میں پچُھی تھی تتلی

ایک بار مزاحاً یہ شعر فرمایا جس میں عجیب صنعتِ لفظی ہے۔

میر مَرتے ہیں امر مُردن سے
نہ کہ دلبر کے دل ربودن سے

(فارسی میں مُردن کا امر میر ہوتا ہے)

۱۴ مارچ ۲۰۰۲ء ناظم آباد میں احقر حضرت والا کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا مُرغ کا سالن تھا۔ حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ اپنے کچھ اشعار "زمانۂ جاہلیت" کے سناؤ۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ قطعہ علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران کہا تھا جس کو اہلِ ادب نے بہت پسند کیا تھا ؎

یہ راز کسی نے بھی نہ جانا میرا
ہے سِرِّ نہاں طرزِ یگانہ میرا
اے مُرغِ چمن تُو نے کہاں سے سیکھا
یہ نالۂ مضطرؔ یہ ترانہ میرا

توحضرتِ والانے مزاحاً فرمایا کہ اس کا جواب سنو اور فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

نہ رہا نالۂ مضطر نہ ترانہ اُس کا
مُرغِ بے تاب کو اِس طرح سے کھایا تُو نے

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے اپنے ایک قدیم اور بے تکلف اللہ والے دوست کو تحریر فرمایا کہ آپ کا وہ قیام جو کراچی میں میرے پاس پُرکیف بہار سے گذرا ایسا جلد گذرا کہ بس خواب ہوگیا۔ کاش !

کاش آنا ہو ترا بارِ دِگر
پائے دل پھر تیری آمد کی بہار

ایک صاحب آئے تھے۔ آپ کا سلام و پیام لائے تھے کہ وہ سنگدل بھی مجھے یاد کرتا ہے اور یہ شعر لکھا ؎

نرم ہوجاتا ہے پتھر کا جگر
کچھ نہ پوچھو میری آہوں کا اثر

والسلام
محمد اختر

ایک صاحب نے حضرت مرشدی دامت برکاتہم کو خط لکھا کہ ناظم آباد میں جب آپ کا قیام تھا تو میں آپ سے اللہ کی باتیں سُنا کرتا تھا لیکن اب آپ گلشن اقبال تشریف لے گئے تو میں کس سے دین کی باتیں پوچھوں اور یہ شعر لکھا ؎

کِس سے پوچھوں بہار کی باتیں
جب صبا بھی اِدھر نہیں آتی

اس کے جواب میں حضرتِ اقدس نے فی البدیہہ یہ شعر تحریر فرمایا ؎

تم ہی گلشن میں کیوں نہیں آتے؟
جب صبا بھی اُدھر نہیں جاتی

اس میں یہ تعلیم ہے کہ طالب کو اپنے دینی مربّی کی مجلس میں خود حاضر ہونا چاہیے اور لفظ گلشن میں مزید لطف ہے کہ حضرتِ والا کا قیام گلشن اقبال میں ہے۔ جامع

اس کے بعد اس بحر میں مزید اشعار وارد ہوئے جو مندرجہ ذیل ہیں :

بُوئے جاناں اگر نہیں آتی
ساری دُنیا مجھے نہیں بھاتی

میر خُوئے شکستِ توبہ پر
کیوں حیا بھی تمہیں نہیں آتی

آہ کو میری یاد کرتے ہیں
اُن کے کوچہ میں جب نہیں جاتی

وہ مجھے یاد گر نہیں کرتے
یاد اُن کی کبھی نہیں آتی

درد اُن کا اسے نہیں ملتا
راس حسرت جسے نہیں آتی

یہ حقیقت زبانِ عارف سے
کیوں سمجھ میں تری نہیں آتی

کون دل میں مرے سمایا ہے
ساری دُنیا مجھے نہیں بھاتی

سارا عالم مجھے اندھیرا ہے
جب اُنہیں آرزو نہیں پاتی

جس کو عشرت ملی ہو حسرت سے
اُس پہ اختر فنا نہیں آتی

کلامِ فارسی حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی

در ذکر

عزیزم مولوی محمد عشرت جمیل سلمہ اللہ تعالیٰ

(بی۔کام علیگ)

اردو ترجمہ: از شاہین اقبال اثرؔ

گفت رومیؒ اے حسام الدیں بیا　　کہ زوید بے تو از شورہ گیا

اے حسام الدین میرے پاس آ　　بن ترے بنجر زمیں ہو سبز کیا

چوں شناسد جانِ من جانِ تُرا　　یاد دارند اتّحاد و ماجرا

کیونکہ میری جان تیری جان سے　　متّحد ہے عالمِ روحان سے

گر نہ بُودے خلق محجوب و کثیف　　ور نبودے خلقہا تنگ و ضعیف

گر نہ ہوتی خلق محجوب و کثیف　　اور نہ ہوتا اُن کا دل تنگ وضعیف

در مدیحت داد معنی دادمے　　غیر ایں منطق لبے بکشادمے

تب تری تحسین کو پر تولتا　　تیری مدحت میں زباں مَیں کھولتا

شرحِ تو غیب است بر اہلِ جہاں　　ہمچو رازِ عشق دارم در نہاں

تجھ کو پہچانیں کہاں اہلِ جہاں　　مثلِ رازِ عشق تو مجھ میں نہاں

مدح تو حیف است با زندانیاں ــــ گویم اندر مجمعِ روحانیاں

تیری مدحت باعثِ رنجِ خفاش ــــ مَیں کروں گا مجمعِ شاہیں تلاش

قدرِ تو بگذشت از درکِ عقول ــــ عقل در شرحِ شما باشد فضول

قدر تیری عقل سے ہے بالاتر ــــ عقل حیراں ہے تری پرواز پر

قصد کر دستند ایں گِل پارہا ــــ کہ بپوشانند خورشیدِ تُرا

چاہتے ہیں بندۂ نفسِ خراب ــــ کردیں زیرِ خاک تیرا آفتاب

چونکہ اخواں را دلِ کینہ وراست ــــ یُوسفم را قعر چاہ اولیٰ تراست

کینہ پرور کیونکہ ہیں بھائی ترے ــــ تُو ہے بہتر چاہِ یُوسف میں رہے

جملہ ایں اشعار کہ منقول بود ــــ در بیانِ آں حسام الدّین بود

جتنے بھی اشعار یہ منقول ہیں ــــ مدحتِ حسام الدیں کا پھول ہیں

جانِ عشرت، عشرتِ جانِ من است ــــ جانِ او ہر لحظہ مستانِ من است

جانِ عشرت، میری عشرت کا سبب ــــ کیونکہ وہ ہر دم ہے مجھ میں مست اب

اے حسام الدّیں تُوئی در جانِ من ــــ اے تُو ہمراز دلِ رنجانِ من

اے حسام الدین تُو ہے میری جاں ــــ تو ہی ہے ہمرازِ دردِ عاشقاں

سینۂ تو پُر ز اسرار و رُموز   رازِ عشق و عاشقی را صد کُنُوز
تیرا سینہ پُر ہے رازِ عشق سے   تیرا دل لبریز رازِ عشق سے

جانِ تُو چوں می کشد از ما سخن   بہرِ تو از جانِ من جوشد لبن
تُو مری تقریر کا موجب ہے میرے   تیری خاطر جوش مارے شیرِ پیر

خسروئے بہرِ نظام الدینؒ بود   بہرِ اختر جانِ تو خسرو نمود
خسروئے سُلطان کی خوشبو ہے تُو   جانِ اختر کے لئے خسرو ہے تُو

جانِ تو در عشق باشد باوفا   بلکہ آموزد وفا از تو وفا
جان تیری عشق میں ہے باوفا   تجھ سے سیکھے خود وفا ،کیا ہے وفا

از حسد محفوظ گرداند خدا   عاقبت محمود گرداند خدا
حاسدیں کا مُنہ نہ دکھلائے خدا   عاقبت محمود فرمائے خدا

آبگینۂ محبت
کلامِ میرؔ
یعنی
احقر سید عشرت جمیل ملقب بہ میرؔ
خادم خاص حضرت والا کا کلام

تعارفِ عارفِ شیخ

یہ کلام سیدِ عشرت جمیلِ میر ہے ۔۔۔ جو فنا فی الشیخ مسترشد، غلام پیر ہے
نظم ہے یا نثر ہے، تحریر یا تقریر ہے ۔۔۔ داستانِ میر کا موضوع حُبِ پیر ہے
میر کو حاصل مسلسل التفاتِ پیر ہے ۔۔۔ قابلِ صد رشک جب ہی میر کی تقدیر ہے
عاشقِ مرشد ہے وہ یعنی ایازِ پیر ہے ۔۔۔ میرے دعوے کی دلیل از خود بیاضِ میر ہے
جس کا دیوانہ اثرؔ عشرت جمیلِ میر ہے ۔۔۔ پیر ہے وہ، پیر ہے وہ، پیر ہے وہ، پیر ہے
زندگانی جس کی نذرِ خدمتِ مرشد ہوئی ۔۔۔ جب ہی اُس کے نام عشقِ شیخ کی جاگیر ہے
میر کی، ہستی امیرِ خسروئے عہدِ رواں ۔۔۔ رشکِ سلطان المشائخ پیرِ عالمگیر ہے
منصب احقاقِ حق کا مستحقِ واقعی ۔۔۔ بے نیام و بے خطا حق گوئی کی شمشیر ہے
عدلِ فاروقی کے صدقے بذلِ عثمانی کے ساتھ ۔۔۔ الفتِ صدیق ہے یاں جرأتِ شبیر ہے
دُور والے تو جلالی ہی سمجھتے ہیں مگر ۔۔۔ درحقیقت وہ جمال و عشق کی تصویر ہے
پیر پر تو ہے ہی سو سو جان سے قربان وہ ۔۔۔ جو فدا ہے پیر پر اُس پر بھی قربان میر ہے
محترم ہر ایک سالک ہے نگاہِ میر میں ۔۔۔ اس لئے تو سب کے دل میں احترامِ میر ہے

پرتوئے حُسنِ کلامِ میر ہے یہ بالیقیں
جو اثرؔ تیرے سخن میں اِس قدر تاثیر ہے

شاہین اقبال اثرؔ

حضرت مرشدی قرۃ عینی و قلبی

عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا

شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

نے احقر سے فرمایا کہ میرے کلام کے آخر میں اپنا کلام شامل کر دینا۔

احقر کے لئے اس سے بڑی سعادت کی بات اور کیا تھی کہ ریشم

میں ٹاٹ کا پیوند شامل فرما لیا جائے۔ یہ حضرت والا کا انتہائی کرم ہے،

اور حقیقت یہ ہے کہ احقر کے یہ اشعار حضرت والا کا روحانی تصرف اور

فیض ہے ورنہ احقر شاعر کہلانے کا مستحق نہیں لہٰذا حکم

مرشد پر یہ کلام پیشِ خدمت ہے۔

احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ عنہ

نذرانۂ حمد بحضورِ بارگاہِ کبریا جل شانہٗ

شبِ اختر کو ان کے وصل کا ساماں سمجھتے ہیں
سحر کے نور کو ہم جلوۂ جاناں سمجھتے ہیں

جو سو جانیں عنایت ہوں تو سب تم پر فدا کر دیں
تمہارے سامنے ہم جان کو کب جاں سمجھتے ہیں

جو دم بھر کو بھی غفلت ہو تو سمجھو دم نکل جائے
ہم ان کی یاد کو اے دوست جانِ جاں سمجھتے ہیں

ہمارے رنگِ طاعت کو کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
خمِ محراب کو ہم ابروئے جاناں سمجھتے ہیں

قمر کو جانتے ہیں ہم انہی کا نورِ پیشانی
شفق کے رنگ کو رنگِ رُخِ تاباں سمجھتے ہیں

تو غم خواری نہ کر اے چارہ گر بس راہ لے اپنی
ہم ان کے درد ہی کو درد کا درماں سمجھتے ہیں

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
ہم ان کی یاد کو سرمایۂ ایماں سمجھتے ہیں

صلوٰۃ و سلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بحضور سرورِ کائنات بوقتِ حاضری مواجہہ شریف

السّلام اے تاجدارِ انبیاء — السّلام اے مجتبیٰ و مصطفیٰ
السّلام اے منبعِ جُود و عطا — السّلام اے پیکرِ صدق و صفا
السّلام اے سیّدِ جن و بشر — السّلام عالی نسب، والا گُہر
السّلام اے مُرسلِ اُمّی لقب — سرگروہِ عالماں محبوبِ رب
الصلوٰۃ والسّلام اے شاہِ دیں — السّلام اے رحمۃٌ لّلعالمیں
السّلام اے ہادیٔ دینِ متیں — اے شفیع المذنبیں در یومِ دیں
اے پناہِ عاصیاں ایں کوئے تو — من بااُمیدے رسیدم سُوئے تو
کُن زِ رُوئے لطف سُوئے من نظر — اے شفیع المذنبیں خیر البشر
آمدہ در کوئے سرور ایں فقیر — اے شفیعِ عاصیاں دستم بگیر
السّلام اے صاحبِ خلقِ عظیم — اے حریصٌ، اے رؤفٌ، اے رحیم
حبکم دائر علیٰ ایماننا — لا بذاتٍ بل صلاح شاننا
من غلامِ اخترِ شیدائے تو — رحم کُن بر حالِ ما اے ماہ رُو
آمدہ سوئے تو عشرت خستہ حال — کُن شفاعت پیشِ ربِّ ذو الجلال

کُلفتِ ہجرِ نبی ﷺ سے دل مرا رنجور ہے

اے مدینہ اے نوائے ہاتفِ ربِ جلیل　　کاروانِ زندگی کو تو نے دی بانگِ رحیل
شاہدِ نُورِ ازل ہیں تیری محراب و فصیل　　جلوہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ، جائے نزولِ جبرئیل

خاک تیری خندہ زن ہے رُتبۂ افلاک پر
سرورِ دُنیا و دیں خوابیدہ ہیں جس خاک پر

تیری صوتِ حق سے لرزش ہے منات و لات میں　　تو ہی اک زندہ حقیقت بزمِ موجودات میں
تیرے مفلس صابر و شاکر ہیں سب حالات میں　　تیرے منعم گشت کرتے ہیں اندھیری رات میں

اپنے محکوموں کی لادی ہیں سروں پر گٹھڑیاں
تیرے شاہوں نے گدائی کر کے دکھلائی ہے یاں

آشنا ہو کر بھی گر ساقی سے بیگانے رہے　　فائدہ پھر کیا جو تیرے رند مستانے رہے
رات بھر شعلوں پہ اُس کے کیسے دیوانے رہے　　یوں رہیں ہم جیسے گردِ شمع پروانے رہے

شمع جب تیری فروزاں ہے تو پھر کیا چاہیئے
جذبۂ بے اختیارِ شوق ہونا چاہیئے

کُلفتِ ہجرِ نبی ﷺ سے دل مرا رنجور ہے　　کیا کرے یہ بندۂ عاجز بہت مجبور ہے
اے ہوائے شوق مر جانا مجھے منظور ہے　　گر نبی ﷺ کے شہر میں مدفن مرا مستور ہے

ماجرا یہ پیش آئے بر درِ کوئے حبیب ﷺ
جاں لبوں پر ہو نگاہیں ہوں مگر سوئے حبیب ﷺ

سارے جہان میں کوئی آپ سا خوبرو نہیں

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مرشدنا و مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی محبت میں کہے گئے چند اشعار

مستِ نگاہِ ناز ہوں یاں شورِ ہا و ہُو نہیں
شیشہ و جام و خُم نہیں ساغر نہیں سبو نہیں

بے پیئے ایسا مست ہوں سارا جہاں ہے رقص میں
حسرتِ غم کا یہ نشہ شرمندۂ سبو نہیں

دیکھے ہیں گو ہزار ہا شمس و قمر جہان میں
سارے جہان میں کوئی آپ سا خوبرو نہیں

حُسن میں لاجواب تو عشق میں لاجواب میں
عشق کہاں جو میں نہیں، حُسن کہاں جو تو نہیں

کچھ دل کی دل میں رہ گئیں کچھ دل سے خود نکل گئیں
دل میں مرے سوا ترے اب کوئی آرزو نہیں

اس سے عیاں ہیں سربسر عشق و جنوں کی عظمتیں
دامنِ چاک چاک کو کچھ حاجتِ رفو نہیں

حق نے دیا ہے شیخ وہ، منزل ہے جس کا ہر قدم
میرؔ شکستہ پا کو اب منزل کی جستجو نہیں

۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱/ اپریل ۲۰۱۱ء
بروز جمعرات، بعد فجر

در مدحِ شیخ

کس قیامت کی تڑپ اُف تیرے افسانے میں ہے

جلوہ فرما کون میرے دل کے کاشانے میں ہے
محوِ آرائش کوئی اِس آئینہ خانے میں ہے

تندیٔ صہبا سے ساغر ٹکڑے ٹکڑے ہو نہ جائے
اُس نگاہِ ناز کی مے میرے پیمانے میں ہے

تیرے خُم کے ایک قطرے کا ہے یہ ادنیٰ اثر
سر کٹانے کی تمنّا تیرے مستانے میں ہے

میرے ساقی ایسا منظر تو نہ دیکھا تھا کہیں
تِشنہ لب بھی مست و رقصاں تیرے میخانے میں ہے

سامنے تم ہو تو دنیا ہے مجھے خلدِ بریں
اور قیامت کا سماں تم سے بچھڑ جانے میں ہے

پاس اگر تم ہو تو ہے آباد ویرانہ میرا
ورنہ آبادی بھی شامل میرے ویرانے میں ہے

ہاں کلیجے مُنہ کو آتے ہیں تری آواز سے
کس قیامت کی تڑپ اُف تیرے افسانے میں ہے

اے نگاہِ خشمگیں دل کو مرے کیا کر دیا!
چین اس وحشی کو آبادی نہ ویرانے میں ہے

اب نہ ہوش آئے گا مجھ کو سُن لو! اے اہلِ خرد
ہوش میرا غرق اب ساقی کے پیمانے میں ہے

یا الٰہی قلبِ عشرتؔ کو بھی ہو جائے عطا
جو تڑپ بُلبل میں ہے جو سوز پروانے میں ہے

تقریباً چالیس سال قبل جب احقر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، حضرت والا کی محبت میں ۱۸/ اپریل ۱۹۷۴ء کو یہ اشعار موزوں ہوئے اور جب احقر نے حضرت والا کو سنائے تو حضرت والا نے برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

کیا تعجب ہے جو مضطر ہو گئی
جانِ عشرت، جانِ اختر ہو گئی

اللہ تعالیٰ حضرت والا کی اس دعا کو احقر کے حق میں قبول فرمائے، آمین۔

غمِ فراق و مسرتِ وصال

ایک بار احقر سخت بیمار ہوگیا تھا جس کی وجہ سے بہت طویل عرصہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھا۔ حضرت والا کی جدائی میں یہ اشعار ہوئے۔ پھر جب صحت ہونے کے بعد حاضرِ خدمت ہوا تو اس خوشی میں آخر کے پانچ اشعار ہوئے۔ حضرت والا نے اس کا نام تجویز فرمایا :

"غمِ فراق و مسرتِ وصال"

میں کیا ہوں، ایک آہِ نارسا، فریادِ بسمل ہوں
سراپا درد ہوں، نالہ ہوں اور خاکسترِ دل ہوں

میں کیا ہوں! ایک پیمانہ، جو ترسے قطرۂ مے کو
شکستہ جام ہوں نا آشنائے دورِ محفل ہوں

زبانِ حال میری کہہ رہی ہے میرا افسانہ
گلِ افسردۂ ہستی ہوں، متروکِ عنادل ہوں

بکھر جائے نہ بالکل ہی مری ہستی کا شیرازہ
مجھے ہنس ہنس کے مت دیکھو، میں اک ٹوٹا ہوا دل ہوں

خوشا یہ خنجرِ تسلیم، یہ لذت شہادت کی
میں اپنے سر کو ہاتھوں پر لیے خود رقصِ بسمل ہوں

مسافر ہوں وہ جس کو بڑھ کے خود منزل نے چاہا ہے
مرے پائے شکستہ پر نہ جا، مطلوبِ منزل ہوں

مرے جامِ شکستہ کو خریدا میرے ساقی نے
وگرنہ درحقیقت پھینک ہی دینے کے قابل ہوں

نگاہِ مستِ ساقی نے کیا ہے رشکِ جم مجھ کو
لیا جاتا ہوں ہاتھوں ہاتھ، کیا مقبولِ محفل ہوں

کسی کی چشمِ بے خود سے نہ جانے کیا کرم پایا
کہ ہر دم رقص میں ہوں، ایسی اک مستی کا حامل ہوں

مرے ساقی نے مجھ کو کر دیا ہے ایسا مستانہ
کہ خود بادہ ہوں، خود ساغر ہوں، خود ہی میرِ محفل ہوں

جنت کی مے پیے ہوئے ساقی تھا مستِ جام

محبی و محبوبی مرشدی و مولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اختر صاحب دام ظلہم العالی کی جدائی کے غم میں کہے گئے اشعار۔

(احقر میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

خوابوں کی سرزمیں، تری محفل میں ہم بھی تھے
جو دل کہ جانِ بزم ہے اس دل میں ہم بھی تھے

پَرواز میں جو حدِّ چمن سے نکل گئے
اُن بے جگر طیُور و عنادل میں ہم بھی تھے

اک زلفِ پُرشِکن نے کیا تھا ہمیں اسیر
آزاد ہو کے دامِ سلاسل میں ہم بھی تھے

قاتل بہ نازِ داعیٔ ایماں بہ تیغِ چشم
یوں سر بدست کوچۂ قاتل میں ہم بھی تھے

جنت کی مے پئے ہوئے ساقی تھا مستِ جام
ساغر تھا، دورِ مے تھا، مقابل میں ہم بھی تھے

جوشِ جنوں بھی ایسا کہ صحرا بدوش ہم
دیوانگانِ لیلیٰ محمل میں ہم بھی تھے

ہر سانس میں تھا جامِ شہادت ہمیں نصیب
یوں بھی ہُوا کہ نرغۂ باطل میں ہم بھی تھے

ہم ہی تھے دشتِ شوق میں لیلیٰ بھی قیس بھی
اب کیا کہیں کہ پردۂ محمل میں ہم بھی تھے

دیکھا کسی نے کل ترا میرِ شکستہ حال
رو رو کے کہہ رہا تھا کہ اس دل میں ہم بھی تھے

نہیں دیوانۂ حق جو ترا دیوانہ نہیں

(در محبت سیدی و مرشدی و مجی و محبوبی شیخ العرب و العجم عارف باللہ قطب العالم
حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر دام ظلہم)

نہیں دیوانۂ حق جو ترا دیوانہ نہیں
ہائے وہ روح کہ جس نے تجھے پہچانا نہیں

دل میں ہر لحظہ ترے جلوۂ جاناں دیکھوں
ہاتھ میں گرچہ ترے سبحۂ صد دانہ نہیں

تیری آنکھوں میں ہے وہ مستیٔ صہبائے ازل
جس کے آگے کوئی شے مستیٔ پیمانہ نہیں

تیری آنکھوں سے ملاتی نہیں نرگس آنکھیں
اُس کی آنکھوں میں تری مستیٔ خُم خانہ نہیں

سرنگوں حُسنِ بتاں سامنے عظمت کے تری
تیری صورت سی کوئی صورتِ جانانہ نہیں

بے نیازی سے تری نازِ بُتاں سر بسجود

ہو سکتا یہ تجھے حُسنِ صنم خانہ نہیں

بیچتا کیا ہے یہاں جاہ و جلالِ شاہاں

تیری صورت سی کوئی صورتِ شاہانہ نہیں

آہ کیا سمجھے گا وہ فطرتِ شاہانہ تری

جس نے دیکھی ہی تری شانِ فقیرانہ نہیں

تخت و تاج شہی پامال ترے قدموں میں

تیرے آگے کوئی شے سطوتِ شاہانہ نہیں

بک نہیں سکتا کبھی دونوں جہاں کے بدلے

تو ہے دیوانۂ حق غیر کا دیوانہ نہیں

مفت بٹتی ہے مئے نابِ محبت یاں پر

تیرے میخانے سا دیکھا کوئی میخانہ نہیں

جان سکتا ہی نہیں وہ کہ محبت کیا ہے
ہے سُنا جس نے ترا نعرۂ مستانہ نہیں

اُس کو ہو سکتی نہیں حرفِ محبّت کی شناخت
یعنی اس دور میں جو بھی ترا دیوانہ نہیں

ہائے اِس نازِ محبّت پہ مَرا جاتا ہوں
جب وہ کہتے ہیں کہ جا تو مِرا دیوانہ نہیں

تیرے صدقے میں اسے چشمِ بصیرت ہو عطا
آہ عشرتؔ نے بھی اب تک تجھے پہچانا نہیں

(۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، ۵ / اگست ۱۹۹۸ء)

ان اشعار کو سن کر بنگلہ دیش سے آنے والے ایک عالم نے احقر کو ہدیہ دینے کی اجازت چاہی۔ حضرت والا نے اجازت فرمائی اور فرمایا کہ بادشاہوں سے بھی ان اشعار کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی۔

مقصدِ سلوک

ایک بار حضرت مرشدی دامت برکاتہم نے احقر سے فرمایا کہ کہو تو تجھے خلافت دے دوں! احقر نے عرض کیا کہ حضرت میں اس کا اہل نہیں، آپ مجھے اپنے قدموں ہی میں پڑا رہنے دیجئے۔ اس وقت یہ اشعار موزوں ہوئے، جن کو حضرت والا نے بہت پسند فرمایا اور مختلف اوقات میں کئی بار سنا۔

پردہ عیبوں کا مرے، مجھ پہ پڑا رہنے دے
خود مجھے میری نگاہوں سے گرا رہنے دے

تیری آغوشِ محبت ہے مری جائے پناہ
خار کو پھول کے دامن میں چھپا رہنے دے

کیا کروں گا میں بھلا تاجِ سروں کا بن کر!
اپنے قدموں ہی میں بس مجھ کو پڑا رہنے دے

تا ابد رہنے دے گمنام مرے آقا مجھے
مگر اک لمحہ کو خود سے نہ جدا رہنے دے

نہ رہائی دے کبھی اپنی محبت سے مجھے
اپنی زنجیرِ غلامی میں بندھا رہنے دے

نہیں منظور بقا، تجھ سے الگ ہو کے مجھے
اپنی ہی ذات میں بس مجھ کو فنا رہنے دے

کھُل گئے معنی جو اس کے تو ہنسے گی دُنیا
آہ! اس حرفِ غلط کو تو مٹا رہنے دے

کہاں پیدا ہُوا، کب مر گیا، کب زندہ رہا؟
مجھ کو بے نام و نشاں یارِ خدا رہنے دے

میرے عیبوں کو نہ مخلوق پہ کر فاش خدا
دامنِ عفو میں بس مجھ کو چھُپا رہنے دے

اپنی رحمت سے کبھی دُور نہ فرمایا رب
درِ مرشد سدا عشرتؔ پہ کھُلا رہنے دے

وہ اپنے ساتھ بس خُدا کا نام لے کے چلتے ہیں

نہ خُم، نہ شیشہ و سُبو، نہ جام لے کے چلتے ہیں
وہ عشقِ حق کی مستیٔ دوام لے کے چلتے ہیں

نگاہِ عشق ان کی اک جہاں کو مست کرتی ہے
وہ دل میں عشقِ حق کا ایسا جام لے کے چلتے ہیں

جو بار بار ہم گِریں اُٹھائیں بار بار وہ
وہ راہِ حق میں ہم کو گام گام لے کے چلتے ہیں

وہ ساتھ چھوڑتے ہی نہیں رھروانِ عشق کا
بھٹک گیا جو صبح کو تو شام لے کے چلتے ہیں

لُٹا دیا خدا پہ اپنا جان و مال و آبرو
وہ اپنے ساتھ بس خدا کا نام لے کے چلتے ہیں

نہ اُن کو جاہ کی طلب، نہ اُن کو نام سے غرض
کہ وہ تو عشقِ سیّدِ الانام لے کے چلتے ہیں
چُھپاتے لاکھ ہیں مگر چُھپے گا کیسے عشقِ حق
وہ چشمِ اشکبار جب مُدام لے کے چلتے ہیں

جنہیں وہ خود پلائیں اُن کا پوچھتے ہو حال کیا
کہ خُم کے خُم تو اُن کے تشنہ کام لے کے چلتے ہیں
تجھے بھی عشرتِ حزیں ملے وہ فیض شیخ سے
جو کیفِ راہِ حق کے خوش خرام لے کے چلتے ہیں

نہیں تیس برسوں میں اک لمحے کو بھی
سُنی ہیں حضرت سے غفلت کی باتیں

یہ کیسی شرافت ہے کیسی نجابت، کریں جلوتوں میں شرافت کی باتیں
مگر جاتے ہیں خلوتوں میں جب اپنی، حسینوں سے کرتے ہیں ذلّت کی باتیں

زنا کار آنکھوں کا، فاسق خدا کا، نبی نے ہے ملعون جس کو پکارا
خریدے نظر سے جو لعنت خدا کی، وہ کیا کر رہا ہے ولایت کی باتیں!

نہیں چھوٹتی لت اگر معصیت کی، تو رکھ دے سر اپنا تُو چوکھٹ پہ رب کی
کہ محبوب ہیں بارگاہِ صمد میں، ندامت کے آنسو، ندامت کی باتیں

خود اپنی تمنّاؤں کا خون کرنا، نہیں کام اے دل ہے یہ ہیجڑوں کا
حسینوں سے نظریں بچا کر تڑپنا، یہ ہیں شیر مَردوں کی ہمّت کی باتیں

اے زاہد تُو کس وہم میں مبتلا ہے، کہ نامِ طریقت سے شعلہ بپا ہے
شریعت کی باتیں محبت سے کرنا، یہی تو فقط ہیں طریقت کی باتیں

کہاں کا گناہ، معصیت کیسی یارو، تم اندھے ہو کیا اس حقیقت کو جانو
نہیں تیس برسوں میں اک لمحے کو بھی سنی ہیں نے حضرت سے غفلت کی باتیں

مرے شیخ کے پاس آ کر تو دیکھو، محبت کے دن ہیں محبت کی راتیں
ارے وہ تو خود ہیں سراپا محبت، سنو گے بس ان سے محبت کی باتیں

محبّت کو کوئی اگر جسم ملتا، وہ ہوتا سراپا مرے شیخ ہی کا
کہ ہم نے نہیں دیکھی ایسی محبت، نہ ایسی سنی ہیں محبّت کی باتیں

خدا جن تمنّاؤں سے بھی ہو ناخوش، دلیری سے ہر اک تمنّا کا خوں کر
کہ ہیں یہ بظاہر تو حسرت کی باتیں، مگر در حقیقت ہیں عشرتؔ کی باتیں
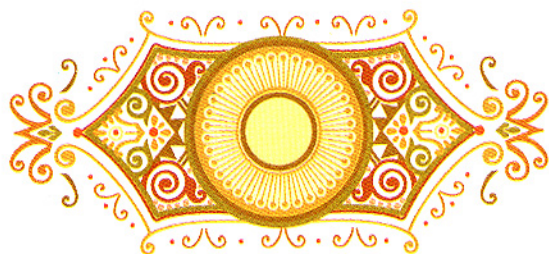
رفیقِ تنہائی

سیدی و مرشدی، محبی و محبوبی فداہٗ ابی و امی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد اختر صاحب ادام اللہ بقاءہم و دامت برکاتہم و عمّت فیوضہم کے ہمراہ ۱۹۹۰ء میں جنوبی افریقہ کے پہلے سفر کے دوران وہائٹ ریور (White River) کے کے قریب ساڑھے تین سو کلو میٹر کے جنگل میں رات کے سناٹے میں حضرت مرشدی کی محبت میں کہی گئی ایک نظم (احقر میر عفا اللہ تعالیٰ عنہٗ)

شبِ صحرا، مہیب سنّاٹا | موت ہو جیسے زندگی پہ محیط
یا صدورِ گناہ سے دل کی | تنگ ہونے لگے فضائے بسیط

پڑ گئی طول و عرضِ صحرا پر | ظلمتِ شب کی اک سیاہ رِدا
پتّے پتّے پہ مُہرِ خاموشی | کُنجِ عزلت میں سو گئی ہے ہَوا

گوشِ گُل میں زبانِ بلبل سے | نہیں آتی نوائے سرگوشی
آب گہوارۂ سکوت ہے آج | موجِ دریا ہے غرقِ بے ہوشی

وسعتِ ارض پر اندھیروں کو | تکتے ہیں آسمان کے تارے
ظلمتوں میں ہدایتوں کے چراغ | کفر کے گھر میں نور کے پارے

مشترک تجھ میں اور مجھ میں ہے		ایک ہی وصف اے شبِ صحرا
تو بھی تنہا سکوتِ صحرا میں		بزمِ دنیا میں مَیں بھی ہوں تنہا

تجھ کو لیکن بھلا نصیب کہاں		جو ہے میرا رفیقِ تنہائی
جو ہے خود ایک انجمن تنہا		جس کی تنہائی عالم آرائی

وہ سلامت رہے ہزار برس		جس کا اک اک نفس ہزار حیات
جس کی اک اک ادا حیات فروز		بن گئی وصل جس سے ہجر کی رات

جس سے ملتی ہے قلبِ مُردہ کو		اک نئی جان یعنی جانِ حیات
قرب جس کا ہے رشکِ خلدِ بریں		شاہدِ عدل جس پہ ہیں آیات

وہ جو آتا ہے میہماں بن کر		جب کبھی دل اُداس رہتا ہے
جو نگاہوں سے دُور ہو کر بھی		ہر گھڑی دل کے پاس رہتا ہے

ایسا محبوب کوئی دکھلائے		ہو جو ہر دم دلِ حزیں کا حبیب
جو ہو موجود دل کی دھڑکن میں		رگِ جاں سے بھی ہو زیادہ قریب

جب یہ اشعار ہوئے اور حضرت والا کو سنائے تو حضرت والا نے
بہت زیادہ پسند فرمائے، خصوصاً پہلا بند، اور مختلف اوقات میں بار بار سنے۔ آج

۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۹/اکتوبر ۱۹۹۲؁ء بروز جمعہ تائب صاحب نے پھر یہ نظم پڑھی تو حضرت والا نے فرمایا کہ بہترین اشعار ہیں اور احقر سے فرمایا کہ سفرِ لاہور میں اس کیسٹ کو ساتھ رکھنا۔

دوپہر بعد طعام فرمایا کہ یہ اشعار درد انگیز، درد آمیز اور درد ریز ہیں اور رات پونے بارہ بجے جب حضرت والا کمرہ میں استراحت فرما ہوئے تو فرمایا: وہ اشعار پھر سناؤ۔ احقر نے کیسٹ لگا دیا اور یکے بعد دیگرے حضرت والا نے تین بار سنا اور فرمایا کہ تائب نے پڑھا بھی خوب ہے اور مضمون بھی خوب ہے۔ شروع کے دو شعروں کے لیے فرمایا کہ آپ نے بہترین تشبیہ دی ہے، آپ افریقہ کو شعروں میں بند کر کے لے آئے۔ ایسے مضامین آپ کو کہاں سے آجاتے ہیں؟ احقر نے عرض کیا، حضرت ہی کا فیض ہے، احقر کہاں سے لائے گا۔ پھر فرمایا کہ اُردو ادیب ہی اس کی قدر کر سکتے ہیں، بے چارے عوام کیا جانیں۔ پھر فرمایا کہ آپ پر افریقہ کے جنگل میں کیا کیفیت طاری ہوئی تھی جو یہ اشعار ہوئے معلوم ہوتا ہے کوئی بہت قوی کیفیت طاری ہوئی تھی اور فرمایا کہ نہ جانے ان اشعار سے مجھ پر کیوں کیفیت طاری ہوتی ہے، یہ اشعار اور تائب کی آواز، میری نیند اُڑ جاتی ہے، ظالم نے پڑھنے میں کمال کر دیا۔

اگلے دن صبح دس بجے مولانا مظہر میاں اور دوسرے حضرات کو کئی بار یہ کیسٹ سنایا۔ احقر نے عرض کیا کہ تائب صاحب نے بہت درد سے پڑھا ہے

تو فرمایا کہ ہاں، لیکن اگر مضمون اچھا نہ ہو تو محض پڑھنے میں کیا مزہ آئے گا۔ فرمایا کہ مجھ پر ان اشعار کا جو اثر ہو رہا ہے، وہ دوسروں پر دیکھتا ہوں کہ نہیں ہے اگر چہ وہ ماہر ادیب ہیں۔ ان اشعار کو سن کر میں آفاق کے اُس پار کسی دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہوں۔

شام کو دبیر صاحب اور ان کے ساتھ کچھ حضرات تشریف لائے تو فرمایا: آپ کو میر صاحب کے اشعار سناتے ہیں آپ مست ہو جائیں گے، اور جب ٹیپ لگایا تو فرمایا کہ مجھے تو یہ اشعار بے حد پسند ہیں اور جس کو یہ پسند نہ آئیں تو اس کو مجھ سے مناسبت نہیں۔

اگلے دن ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز اتوار صبح فرمایا کہ "یا صدورِ گناہ سے دل کی" والا شعر اولیاء اللہ کا ہے اور ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ کی تفسیر ہے اور تعبیر حَسَن ہے بلکہ اَحسن ہے۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے۔

یا صدورِ گناہ سے دل کی
تنگ ہونے لگے فضائے بسیط

اگر میرے پاس ہوتا تو آپ کو دس لاکھ روپے دیتا، گناہ کی ظلمت کی بہترین تعبیر ہے۔

حضرت والا کے یہ ارشادات احقر کے لئے سلطنتِ ہفت اقلیم اور خزائن السمٰوٰت والارض سے زیادہ قیمتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے حسنِ ظن کو میرے لئے حقیقت بنا دیں اور میری نجات کا ذریعہ بنا دیں، آمین۔

نشۂ خمرِ کہن ہے بے مثال

نشۂ خمرِ کہن ہے بے مثال ۔۔۔ دَور میں ہشتاد سالہ جام ہے
ان خمار آلود آنکھوں کے نثار ۔۔۔ کیف میں خود گردشِ ایّام ہے
آؤ بھرلو اپنے خالی دل کے جام ۔۔۔ چشمِ ساقی کا یہ اِذنِ عام ہے
لُوٹ لو ہاں لُوٹ لو اے مے کشو ۔۔۔ جوش میں خود ساقیِ گلفام ہے
مفت بٹتی ہے یہاں دن رات مے ۔۔۔ اب وہ مجرم ہے جو تشنہ کام ہے
اک نشہ ہر وقت ہے چھایا ہُوا ۔۔۔ چشمِ ساقی کا عجب انعام ہے
دوڑو جلدی وا ہے بابِ مے کدہ ۔۔۔ ورنہ پچھتاوا ہی پھر انجام ہے
قدر کر لو، قدر کر لو مے کشو ۔۔۔ عشرتِ خستہ کا یہ پیغام ہے
رکھئے ساقی کو سلامت اے خدا ۔۔۔ یہ دعا عشرتؔ کی صبح و شام ہے

چشمِ ساقی سے ہے مستی میری

چھوڑ کر تجھ کو غیر کو چاہوں — میرے اللہ یہ پستی میری

غیر کو چھوڑ کر تجھے چاہوں — رشکِ جبریل یہ ہستی میری

دلِ برباد میں جب سے تم ہو — یہی ویرانہ ہے بستی میری

مئے انگور میں یہ جوش کہاں — چشمِ ساقی سے ہے مستی میری

کون ہوں میں فقط آئینۂ دوست — اور کچھ بھی نہیں ہستی میری

بادۂ خونِ تمنّا کے طفیل — اب اترتی نہیں مستی میری

خونِ دل سے کشید ہوتی ہے — مے کشو مے نہیں سستی میری

نگاہِ عشق سے بسمل بنائے جاتے ہیں

وہ دُور ہو کے بھی دل میں سمائے جاتے ہیں
خوشا نصیب کہ یہ دن بھی آئے جاتے ہیں

یہ اہلِ دل کی ہے مجلس یہاں پہ دل والے
اسیرِ دردِ محبت بنائے جاتے ہیں

یہ وہ چمن ہے جہاں طائرانِ بے پر و بال
بہ سوئے عرش بیک دم اُڑائے جاتے ہیں

خُدا گواہ کہ نا آشنائے درد یہاں
نگاہِ عشق سے بسمل بنائے جاتے ہیں

خُدا رکھے میرے ساقی کا مے کدہ آباد
یہاں پہ جامِ محبّت پلائے جاتے ہیں

قد کہاں صرف خم رہ گئے

وہ جو محوِ صنم رہ گئے — ہو کے بس وقفِ غم رہ گئے
ہائے کیا بندگی کے لئے — آب و گِل کے صنم رہ گئے
حُسنِ فانی سے جو خوش ہوئے — غم میں ہو کے وہ ضم رہ گئے
سرو قد ہیں خمیدہ کمر — قد کہاں صرف خم رہ گئے
ابروؤں کی کماں کیا ہوئی — ان کے بسمل کو غم رہ گئے
اب وہ شانِ اسیری کہاں — لاکھ زلفوں میں خم رہ گئے
بھاگ نکلے خود اُن کے اسیر — گیسوئے خم بہ خم رہ گئے
آہ ان کے رُخِ آتشیں — بن کے مثلِ چلم رہ گئے
اک ہوا کیا کھُلی حُسن کی — کھل کے سارے بھرم رہ گئے
جو نگاہوں سے بسمل ہوئے — ان کی قسمت میں غم رہ گئے

قطعہ

مال و زر جن پہ پھونکا تھا کل — آج بن کے الم رہ گئے
حُسنِ رفتہ کو دیکھا تو بس — مَل کے دستِ کرم رہ گئے

رند تو مستِ مے ہو گیا　　زاھدِ محترم رہ گئے
مٹ گئے عشرتوں کے نشاں　　ہاں نشاناتِ غم رہ گئے

اے ماہِ ہما تو آجا

تجھ پر دل و جان سے فدا ہوں　　تہمت نہ لگا کہ بے وفا ہوں
حیرت سے تجھے جو دیکھتا ہوں　　شاید کہ میں تیرا آئینہ ہوں
یوں یاد میں تیری کھو گیا ہوں　　خود کو بھی نہیں مَیں جانتا ہوں
اب تو تو ہی تُو ہے، تُو ہی تُو ہے　　میں کچھ بھی نہیں ہوں مٹ گیا ہوں
ہوں تیری ہی دُھن میں پا بجولاں　　تجھ کو ہی تلاش کر رہا ہوں
منزل بھی مری تلاش میں ہے　　میں کون ہوں؟ اک شکستہ پا ہوں
اب مجھ کو نہ پا سکے گی دنیا　　میں راہ میں اُن کی کھو گیا ہوں
مجھ کو نہ بُجھا سکیں گے جھونکے　　میں نُورِ ازل کا اک دیا ہوں
مجھ کو نہ مٹا سکے گی دُنیا　　میں نام پہ ان کے مٹ گیا ہوں
اے اھلِ خرد سُنو تو میری　　میں عشق کی بات کہہ رہا ہوں
اس بات کو آہ کون سمجھے　　فانی پسِ پردۂ انا ہوں

اس راز کو آہ کون جانے	باقی پسِ پردۂ فنا ہوں
اب مجھ سے جنونِ عشق سیکھو	اب ہوش میں اپنے آگیا ہوں
ہیں میرے جلو میں ماہ و انجم	اور ان سے میں بے نیاز سا ہوں
اے ماہِ تمام اب تو آجا	سوزِ شبِ غم سے جل رہا ہوں
اب تو مجھے کیمیا بنا دے	اک عمر میں آگ میں جلا ہوں
اب تو یہی آرزو ہے میری	تجھ پہ دل و جان سے فدا ہوں
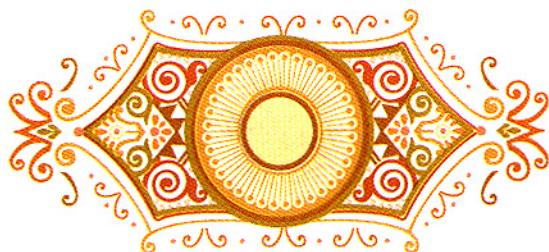
آ رہی ہے جان میں خوشبوئے جانانہ مجھے

کر دیا خود سے بھی تیرے غم نے بے گانہ مجھے
اب تو کہہ دے اب تو کہہ دے اپنا دیوانہ مجھے

خوش نہیں آئے کبھی اندازِ شاہانہ مجھے
بھا گئی آزادیٔ شانِ فقیرانہ مجھے

آخرِ شب ہے نوائے سازِ دل بھی ہے گداز
پھر سنا دے آنسوؤں سے غم کا افسانہ مجھے

یہ کواکب ، یہ فلک ، یہ انجم و خورشید و ماہ
دیکھتے ہیں کیوں بہ اندازِ رقیبانہ مجھے

موج مے مجھ کو اُڑا کر لے گئی افلاک پر
دیکھتے ہی رہ گئے رندانِ مے خانہ مجھے

اب رگِ جاں دے رہی ہے دعوتِ دار و رسن
آ رہی ہے جان میں خوشبوئے جانانہ مجھے

منظوم تعلیمات

حضرت مرشدی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

بے وفا تابعِ پیماں ہو جا

حُسنِ لیلیٰ سے گریزاں ہو جا — عشقِ مولیٰ سے تو شاداں ہو جا

سایۂ زلف پریشاں میں نہ جا — گرمیٔ حشر سے لرزاں ہو جا

زلف وہ دوش پہ بکھری بھی تو کیا — اس کے انجام پہ حیراں ہو جا

لاکھ دلکش ہو مگر سانپ تو ہے — حُسنِ فانی سے گریزاں ہو جا

سرکشی کب تلک اے نفسِ لعیں — وقتِ آخر ہے مسلماں ہو جا

سُن لے کانوں میں وہ آوازِ الست — بے وفا تابعِ پیماں ہو جا

بات تو جب ہے کہ تو قبلِ ممات — مثلِ مُردہ کے مری جاں ہو جا

کر کے آنکھوں کی حلاوت کو فدا — حاملِ حلوۂ ایماں ہو جا

اے خدا دے کے مجھے ذرۂ درد — تُو مرے درد کا درماں ہو جا

نفس مرتا ہے تو مر جانے دے — اس کمینے پہ نہ گریاں ہو جا

متفرقات

۵/نومبر ۱۹۹۶ء کو احقر کو دل کا دورہ پڑا تھا، اس وقت احقر نے حضرتِ والا سے عرض کیا کہ احقر کی وصیت کی کاپی الماری میں رکھی ہے۔ حضرتِ والا نے جوش میں فرمایا کہ کیا باتیں کرتے ہو، ابھی ہم تمہیں نہیں جانے دیں گے، اللہ تعالیٰ سے رو رو کر تجھے روک لیں گے۔ اس کے بعد یہ شعر وارد ہوئے جن کو ہسپتال سے واپسی پر حضرتِ والا کو سنایا۔

آپ کا احقر سے فرمانا بوقتِ دردِ دل
قلبِ محزوں کے لئے کیا باعثِ تسکیں ہوا
ہم تجھے خود سے جدا ہونے نہیں دیں گے ابھی
مانگ لیں گے تجھ کو رب سے کر کے رو رو کر دعا

(۱۸/نومبر ۱۹۹۶ء)

جو یہاں آگیا بھولا بھٹکا
ہو گیا وہ بھی منزل رسیدہ

جو عمل تیرے دل میں ہے کھٹکا
جان لے وہ بھی ہے معصیت ہی

پاس اُن کے کوئی بُت نہ پھٹکا
جب لگے مرنے عاشق مجازی

پوچھتے کیا ہو تم ایسے ہٹ کا
فخرِ شاہاں ہو جس بوریے پر

عشق ہے یہ نہیں کھیل نٹ کا
پیشِ مرشد غلامانہ آؤ

۴ ذوقعدہ ۱۴۲۴ھ

نگاہِ خلق سے گرنے کا غم ہو کیا مجھ کو
نظر سے خلق کو خود ہی گِرا دیا میں نے
بسا ہے اب تو نگاہوں میں بس جمال ترا
حجابِ غیر کو دل سے اٹھا دیا میں نے

نظر میں ہیچ ہے اب جوشش و مستیٔ صہبا
وہ جامِ غم میرے دل کو پلا دیا تو نے

زبانِ برگِ گل پر نالۂ خاموش ہے کس کا
یہ کس نے ہر دہانِ گُل میں رکھ دی ہے زباں میری

اس سے عیاں ہیں سربسر عشق و جنوں کی عظمتیں
دامنِ چاک چاک سے کہہ دو کہ یہ رفو نہ ہو

آجا نہ جانے کب سے ترے انتظار میں
خالی پڑی ہوئی ہے یہ مہماں سرائے دل

منظوم ملفوظات

محبی و محبوبی سیدی و سندی و مرشدی عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ محمد اختر صاحب مدظلہم العالی کے ملفوظات جن کو احقر نے منظوم کر دیا جس کو حضرت والا نے بہت پسند فرمایا۔ (احقر میر عفا اللہ عنہ)

ارشادِ قطبِ زمانہ

جس جہاں سے ہمیشہ کو جانا
اور کبھی لوٹ کر پھر نہ آنا
یہ ہے ارشادِ قطبِ زمانہ
ایسی دنیا سے کیا دل لگانا

پاس جن کے ہمیشہ کو جانا
بس اُنہی سے ہے دل کو لگانا
چھوڑ کر جن کو ہے یاں سے جانا
اپنے دل کو ہے ان سے بچانا

شکوۂ بزمِ محبت

گر زیادہ کمایا تو میری — بزم سے جلدی جانے لگو گے
جب زیادہ کمانے لگو گے — تو یہاں پھر کم آنے لگو گے

ثمرۂ خونِ آرزو

دوستو یہ چراغ دُنیا کے	تیل سے بُوٹیوں کے جلتے ہیں
دل میں لیکن چراغِ عشقِ خدا	آرزو کے لہو سے جلتے ہیں

زندگی کا ویزا

زندگی کا عجیب ہے ویزا	کب بُلا لے خدا نہیں معلوم
اس میں توسیع بھی ہے ناممکن	اور ہے میعاد کیا، نہیں معلوم

قرب کا شربتِ لاثانی

جتنی تمہاری قربانی	اتنی خدا کی مہربانی
پھر تو ہے لذتِ روحانی	قرب کا شربت لاثانی

واہ رے میرے ربّ العالم

ارض و سما کیسے ہیں معلّق	کوئی ستون ہے اور نہ کوئی تھم
سارا عالم ہے بے کالم	واہ رے میرے ربُّ العالم

بے کسیٔ دل

جب ترا غم ملا تو غم نہ رہا — درد بڑھ کر بھی لا دوا نہ ہوا

اور سب غیر ہیں سوا تیرے — حیف ہے اُس پہ جو ترا نہ ہُوا

کیا کہوں بے کسی میں اُس دل کی — ہائے تو جس کا آسرا نہ ہوا

مقصدِ کائنات

خالقِ کائنات سے جس کے
دل کو وابستگی نہیں ہوتی
مقصدِ کائنات سے اس کو
عمر بھر آگہی نہیں ہوتی

سید عشرت جمیل

در مدحِ مرشدِ محبوبِ ما، مخدومِ علماء
قطبِ دوراں غوثِ وقت، مجددِ زمانہ، عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب ادام اللہ ظلہم علینا

عشق است ایں اے شاہِ من، عشق است نَے سوداگری
بر تیغِ چشمت سر دہم، از سود از تاواں بری

ترجمہ: اے میرے شاہ، یہ عشق ہے کوئی سوداگری نہیں ہے۔ پس آپ کے اشارۂ ابرو پر اپنا سر قربان کرتا ہوں اور نفع و نقصان سے بے نیاز ہوں۔

اے مہ جبین و مہ لقا، پیشِ تو در سجدہ بتاں
رویت زِ انوارِ خدا، رشکِ بتانِ آذری

ترجمہ: اے چاند سے زیادہ حسن رکھنے والے آپ کے تقویٰ کو دیکھ کر تمام بتانِ حُسن سجدہ ریز ہو گئے۔ انوارِ الٰہیہ سے آپ کا چہرۂ مبارک بتانِ خوبرو کے لئے باعثِ رشک ہے۔

من عاشقِ شیدائے تو، اے در دلم سودائے تو
از نرگسِ شہلائے تو، گاہے بسویم بنگری

ترجمہ: میں آپ کا دیوانہ عاشق ہوں، میرے دل میں آپ ہی کا سودا ہے۔ پس عشقِ الٰہی سے مخمور اپنی آنکھوں سے کبھی ایک نگاہِ کرم مجھ پر ڈال دیجئے۔

بودن بہ غربت بر درت، بہتر زِ تاجِ سلطنت
کمتر زِ گردِ کوچہ ات، جاہ و جلالِ قیصری

ترجمہ: غریب الوطنی میں آپ کے در پر پڑا رہنا سلطنت کے تاج و تخت سے بہتر ہے، آپ کے کوچہ کی گرد بن جانا شاہانہ جاہ و جلال سے بہتر ہے۔

حقّا گراں صہبائے تو، از لُطف ازینائے تو
دہ جُرعہ ہائے آتشیں، ساقی بہ نازِ دلبری

ترجمہ: اے شیخ! بے شک آپ کی شرابِ محبتِ الٰہیہ بے حد گراں اور بہت ہی کم یاب ہے لیکن محض اپنے کرم سے ایک گھونٹ مجھے بھی پلا دیجئے۔

مجنوں اگر دیدے تُرا، تائب شدے از ماسوا
بر پائے تو افتاں شدے واز عشقِ لیلائش بری

ترجمہ: مجنوں اگر آپ کو دیکھ لیتا تو غیر اللہ کے عشق سے تائب ہو جاتا، اور آپ کے پاؤں پر گر جاتا اور عشقِ لیلیٰ سے نجات پاتا۔

ایں میر تو، میرد بہ تو، مُردہ شدہ در دستِ تو
یا دفن کن، یا زندہ کن، اے جانِ نازِ دلبری

ترجمہ: یہ میرؔ آپ پر مرتا ہے اور آپ کے مبارک ہاتھوں میں مثل مُردہ کے ہے، آپ کو اختیار ہے، چاہے دفن کیجئے چاہے زندہ کیجئے یعنی واصل باللہ کر دیجئے جس طریقہ سے چاہیں۔

جانے کوئی کیا اس کو جو ہم تم میں ہے وابستگی
اے مرحبا! عشقِ جلی، اے حبّذا ربطِ خفی

۹ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ، ۲۳ ستمبر ۱۹۸۷ء

○

بعد مجلسِ وعظ احقر نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت کی محبت میں کچھ اشعار ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا سناؤ۔ ایک صاحب نے بہت عمدہ ترنم سے پڑھا۔ حضرت والا نے اشعار بہت پسند فرمائے اور فرمایا کہ جب ان اشعار کی شرح ہوگی تو معلوم ہوگا کہ حضرت امیر خسرو کے مقام سے یہ شعر کہے گئے ہیں، بہت اونچے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ شعر کہ مجنوں اگر آپ کو دیکھ لیتا تو عشقِ لیلیٰ سے توبہ کر لیتا اور اس کا عشقِ لیلیٰ عشقِ مولیٰ سے بدل جاتا۔

دوپہر کے کھانے پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ بہت اچھے اشعار ہیں اور پڑھنے والے نے بھی بہت اچھا پڑھا۔ حضرتِ والا نے فرمایا کہ اشعار اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں، بہت اونچے مضامین ہیں۔

مثنوی در محبت حبیبی و صدیقی و رفیقی و وسیلۃ یومی و غدی

مرشدی و مولائی حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب اطال اللہ بقاءہم الی مأۃ و عشرین سنۃ وادام اللہ فیوضہم و انوارہم

جانِ من اے جانِ من جانانِ من

اے تو درمانِ دلِ رنجانِ من

ترجمہ : اے میرے پیارے شیخ آپ ہی میری زندگی بلکہ زندگی سے زیادہ محبوب ہیں اور میرے دلِ بیمار کا درماں ہیں۔

اے سکونِ دل سکونِ جانِ من

اے بہارِ ایں دلِ ویرانِ من

ترجمہ : آپ ہی میرے قلب و جاں کا سکون ہیں اور میرے دلِ ویراں کی بہار ہیں۔

بہرِ سوزِ تشنگی تو آبِ من

اے فدایت ایں دلِ بے تابِ من

ترجمہ : محبتِ الٰہیہ کی پیاس کے لئے آپ مثلِ آبِ سرد کے ہیں، اسی لئے میرا دلِ بے تاب آپ پر فدا ہے۔

اندر عالم ہیچ ما را یار نے

جز تو ما را در جہاں دلدار نے

ترجمہ: پورے عالم میں آپ کے سوا میرا کوئی اپنا، کوئی دل کے قریب نہیں

اے دوائے ایں دلِ رنجورِ ما

اے قرارِ ایں دلِ مہجورِ ما

ترجمہ: میرے دلِ بیمار کی آپ ہی دوا ہیں اور میرے دلِ بے قرار کا آپ ہی قرار ہیں۔

من ترا روزِ ازل چوں دیدہ ام

زیں سبب بر جانِ تو گرویدہ ام

ترجمہ: روزِ ازل جب ارواح جنود مجندہ تھیں، میں نے آپ کو دیکھا ہے' اسی واسطے میں آپ کی جانِ پاک کا عاشق و دیوانہ ہوں۔

من ندیدم عاشقِ حق مثلِ تو

ہمچو پروانہ فدا برنامِ او

ترجمہ: میں نے آپ جیسا اللہ کا عاشق نہیں دیکھا، جو ہر وقت پروانے کی طرح اللہ تعالیٰ پر فدا ہو۔

ہر کہ خاک انداخت بر خورشیدِ تو

خاک ہم در آید اندر دہنِ او

ترجمہ: آپ کے آفتابِ ولایت پر جس نے بھی خاک ڈالنے کی کوشش کی تو وہ خاک اسی کے منہ پر آئی۔

اے بلند از قیل و قالِ دُشمناں

اے کہ تو آرامِ جانِ دوستاں

ترجمہ: آپ دشمنوں کے قیل و قال سے بالاتر ہیں، وہ آپ کے مقام کو کیا جانیں، اور آپ دوستوں کی جان کا آرام ہیں۔

قال تو پیدا شود از حالِ تو

حالِ تو شاھد بود بر قالِ تو

ترجمہ آپکا قال آپکے حال سے پیدا ہوتا ہے اور آپ کا حال آپکے قال پر شاہد ہے

بینم اندر تو حیات اندر حیات

صد قمر، صد شمس و صدہا کائنات

ترجمہ: آپ کی جانِ پاک میں تعلق مع اللہ کی عظیم الشان قوت کی برکت سے بے شمار جانیں دیکھتا ہوں بلکہ سیکڑوں سورج، سیکڑوں چاند اور سیکڑوں کائنات آپ کی ذات میں نظر آتی ہیں۔

برتو قرباں قلب و جان و کائنات
جانِ من یابد زتو جانِ حیات

ترجمہ: میرے قلب و جان اور میری تمام کائنات آپ پر فدا ہے، کیونکہ میری جان آپ کے ذریعہ جانِ زندگی یعنی حق تعالیٰ کی ذات کو پا رہی ہے۔

جانِ من جوید ترا در خلوتے
جانِ من قربانِ تو در جلوتے

ترجمہ: میری روح خلوت میں بھی آپ کو تلاش کرتی ہے اور جلوت میں بھی علی الاعلان آپ پر فدا ہے۔

خوش نمی آید مرا اے جانِ من
بے تو ایں صحنِ گلستان و چمن

ترجمہ: اے میرے شیخ! بغیر آپ کے یہ چمن اور گلستان اچھا نہیں لگتا۔

خوش نمی آید جہانِ رنگ و بُو
گوشۂ گلشن، کنارِ آب جُو

ترجمہ: آپ کے بغیر دنیا کا رنگ و بو اچھا نہیں لگتا، نہ گوشۂ چمن نہ دریا کا کنارہ۔

زندگیٔ عاشقاں دیدارِ دوست

موتِ ایشاں پردۂ رخسارِ دوست

ترجمہ : عاشقوں کی زندگی محبوب کا دیدار ہے اور ان کی موت محبوب کا فراق ہے۔

چوں نہ بینم رُوئے تو لیل و نہار

از فراقت پس بنالم زار زار

ترجمہ : جب آپ کے چہرۂ مبارک کی زیارت نہیں ہوتی تو آپ کی جدائی میں زار زار روتا ہوں۔

ماہیاں محروم باشند گر زِ آب

جانِ شاں ہر دم تپد از اضطراب

ترجمہ : مچھلیاں اگر پانی سے محروم ہو جائیں تو ان کی جان ہمہ وقت بے چینی سے تڑپتی رہتی ہے۔

زانکہ بے دریا حیات شاں محال

زیں بخواہند ہر زماں آبِ وصال

ترجمہ : اس لئے کہ بغیر دریا کے ان کا زندہ رہنا ناممکن ہے، اسی لئے وہ ہر وقت پانی سے وصل چاہتی ہیں۔

ماہیئے ہرگز نخواھد زندگی
تا نباشد غرقِ بحرِ بندگی

ترجمہ: جانِ عاشق مثلِ مچھلی کے ہرگز زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک بحر بندگی میں غرق نہ ہو جائے۔

یا بہ جستِ شوق در دریا رسد
یا ز دردِ فرقتش آں جاں دہد

ترجمہ: یا تو تڑپ کر ایک جست میں وہ دریا تک پہنچ جاتی ہے ورنہ پانی کے فراق میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے

فرقتِ تو جانِ ما ویراں کند
آتشِ غم قلب را بریاں کند

ترجمہ: آپ کے فراق نے میری جان کو ویران کردیا ہے اور غم کی آگ نے میرے دل کو جلا دیا ہے۔

چوں مرا تو دُور کردی از کرم
خونِ دل خونِ جگر را می خورم

ترجمہ: جب سے آپ نے اپنے کرم سے مجھے دُور کردیا ہے میں اپنے دل وجگر کا خون پی رہا ہوں۔

از فراقت جاں زتن بے زار شد
تن سراپا صورتِ آزار شد

ترجمہ : آپ کے فراق میں میری جان جسم سے بے زار ہوگئی اور جسم سراپا غم کی صورت بن گیا۔

چوں شود دور از نگہ آں ماہِ من
می رود تا آسماں ایں آہِ من

ترجمہ : جب سے وہ محبوب میری نظر سے دور ہو گیا میری آہیں آسمان تک جا رہی ہیں۔

عاشقاں را صبر نے جز دلبرے
لیک دلبر رُخ بگرداند گہے

ترجمہ : عاشقوں کو محبوب کے بغیر چین نہیں آتا لیکن محبوب کبھی اپنا رُخ پھیر لیتا ہے۔

چوں توجہ کردئی بر خلق ہا
خنجرِ فرقت نہی بر حلقِ ما

ترجمہ : افادۂ باطنی کے لئے جب آپ نے مخلوق کی طرف توجہ فرمائی تو ہمیں اپنے فراق کا غم دے دیا۔

ایں شکایت نیست جانِ زندگی

جوششِ عشق است و نازِ بندگی

ترجمہ : اے جان سے زیادہ محبوب شیخ یہ شکایت نہیں ہے بلکہ جوشِ عشق اور نازِ غلامی ہے ۔

آب زن بر سبزۂ بیمار را

جُرعۂ دہ تشنۂ دیدار را

ترجمہ : میری جان کے سبزۂ خشک کو آبِ وصل سے سیراب کر دیجئے اور تشنۂ دیدار کو دیدار کا شرف عطا فرمائیے۔

بر تو صد ہا قلب و صد جانم فدا

اے قرارِ دل قرارِ جاں بیا

ترجمہ : میرے سیکڑوں قلب وجاں آپ پر فدا ہوں آپ ہی میرے دل وجاں کا قرار ہیں۔ پس اپنے دیدار سے مشرف فرمائیے

جانِ من بیں من تُرا دیوانہ ام

اے تو شمعِ بزم، من پروانہ ام

ترجمہ : اے میرے محبوب میں آپ کا دیوانہ ہوں، آپ شمعِ بزم، میں پروانہ ہوں۔

این دلِ مہجور را یارے نبود
اندر عالم ہیچ دلدارے نبود

ترجمہ : آپ سے پہلے میرے دلِ غمزدہ کا کوئی دوست اور غمخوار نہ تھا۔

در تلاشِ آب مضطر گشتہ ام
ہمچو ماہی عمرہا سر کردہ ام

ترجمہ : پانی (یعنی کسی دیوانۂ حق) کی تلاش میں مدتوں بے چین رہا ہوں اور مثلِ ماہیٔ بے آب ایک عمر گذاری ہے۔

سجدہ گہہ را مدتے تر کردہ ام
آہ تا عرشِ بریں سر کردہ ام

ترجمہ : مدتوں سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر کیا ہے اور اپنی آہوں کو حضورِ حق میں پیش کیا ہے۔

مدتے در خلوتم نالیدہ ام
مدتے در جلوتم غم دیدہ ام

ترجمہ : مدتوں اپنی تنہائیوں میں رویا ہوں اور مدتوں اپنی جلوتوں میں غمگین رہا ہوں۔

از وفورِ غم جگر پاریدہ ام
خونِ دل از چشمِ تر باریدہ ام

ترجمہ : شدتِ غم نے جگر کے ٹکڑے کر دیئے اور آنکھوں سے خونِ دل برسایا ہے۔

بعد عمرے نالہائے دردِ من
شد قبولِ بارگاہِ ذوالمنن

ترجمہ : بعد ایک عمر کے میرے نالہ ہائے درد بفضلہ تعالیٰ بارگاہِ حق میں قبول ہوئے۔

از وفورِ غم جگر شد پاش پاش
آن زماں حق کرد رازِ عشق فاش

ترجمہ : شدتِ غم سے جب دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تب حق تعالیٰ نے رازِ عشق منکشف کیا۔

دفعتاً در بحرِ رحمت جوش شد
عشرتِ جانم ترا آغوش شد

ترجمہ : دفعتاً دریائے رحمت میں جوش آیا اور آپ کے آغوشِ شفقت میں میری جان مضطر چین پا گئی۔

اَنْتَ مَجْذُوْبٌ وَّاَنْتَ سَالِکٌ
اَنْتَ مَطْلُوْبٌ وَّاَنْتَ طَالِبٌ

ترجمہ: آپ مجذوب بھی ہیں اور سالک بھی، آپ مطلوب بھی ہیں اور طالب بھی۔

مِنْ هَوَاءِ النَّفْسِ اَنْتَ زَاهِدٌ
فِیْ طَرِیْقِ الْعِشْقِ اَنْتَ رَاشِدٌ

ترجمہ: ہوائے نفس سے آپ کنارہ کش یعنی محفوظ ہیں اور طریقِ عشق کے ہادی ہیں۔

فِیْ رِیَاضِ الْعِشْقِ زَهْرٌ بَاسِمٌ
مِنْ سُمُوْمِ الْفِسْقِ اَنْتَ سَالِمٌ

ترجمہ: باغِ عشقِ حقیقی کے آپ شگفتہ پھول ہیں اور گناہوں کی بادِ سموم سے محفوظ ہیں۔

فِیْ طَرِیْقٍ اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الرَّفِیْق
اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الْحَبِیْبُ وَالصَّدِیْق

ترجمہ: اللہ کے راستے میں آپ میرے بہترین رفیق ہیں اور آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب اور میرے مشفق ہیں۔

ذرۂ تاریک ام و تو آفتاب

قطرۂ بے مایہ ام تو بحرِ آب

ترجمہ: میں ایک تاریک ذرہ ہوں اور آپ آفتاب ہیں، میں حقیر قطرہ ہوں اور آپ سمندر ہیں۔

من شبِ تاریک تو نورِ سحر

ہمچو کابوس ایم تو رشکِ قمر

ترجمہ: میں باعتبارِ اعمال کے ایک تاریک رات ہوں اور آپ سراپا نور ہیں، میں انتہائی کریہہ المنظر اور آپ رشکِ قمر ہیں۔

بندۂ پُر عیب را دادی پناہ

متصف ہستی زِ اخلاقِ اِلٰہ

ترجمہ: اس بندۂ عیب دار کو آپ نے اپنی آغوشِ رحمت میں پناہ دی، بے شک آپ متخلق باخلاق اللہ ہیں۔

گرچہ آگاہے ز اسرارم توئی

باہمہ عیبم خریدارم توئی

ترجمہ: اگرچہ میرے تمام بھیدوں سے آپ واقف ہیں، لیکن میرے تمام عیبوں کے باوجود آپ ہی نے مجھے خریدا ہے۔

اے زِ نورت روشنیٔ شرق و غرب
شُد نمودِ صبح در ظلماتِ کرب

ترجمہ: اے محبوب آپ کے نور سے مشرق و مغرب میں روشنی ہے اور کرب و غم کے اندھیروں میں صبح نمودار ہو گئی ہے۔

ظلمتم از نورِ تو کافور شد
از دلِ من رنجِ دنیا دور شد

ترجمہ: آپ کے نور سے میری ظلمتِ قلب کافور ہو گئی اور دنیا کا رنج و غم میرے دل سے دور ہو گیا۔

عشقِ مُردہ را تو یک دم سوختی
در دلِ من نورِ حق افروختی

ترجمہ: عشقِ مُردہ یعنی فانی حسینوں کا عشق آپ نے بالکل جلا دیا اور میرے دل میں عشقِ حق کا نور روشن کر دیا۔

چوں قرارِ جانِ من شد روئے تو
وامبر کو شد گدائے کوئے تو

ترجمہ: جس کی جان کا قرار آپ کا روئے مبارک ہے۔ اور جو آپ کے کوچہ کا گدا ہو گیا، اُس کو اپنے سے جدا نہ کیجئے۔

فرقتِ تو سینہ را ویراں کند
آتشِ غم قلب را بریاں کند

ترجمہ: آپکا فراق سینہ کو ویران کرتا ہے اور آتشِ غم دل کو جلا ڈالتی ہے۔

کارِ تو باشد ورائے کارہا
سرہماں جاشد فدائے دارہا

ترجمہ: آپ کا کام تمام کاموں سے بلند تر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے میں مجاہدات کے تختۂ دار پر بصد شوق اپنا سر فدا کرنا ہے۔

کارھا قرباں ایں بے کارگی
خواجگی ھا بندۂ ایں بندگی

ترجمہ: ہزارہا کام اس بے کاری پر نثار ہیں اور ہزاروں بادشاہتیں آپ کی بندگیٔ حق کی غلام ہیں۔

کارِ تو ھر لحظہ غم برداشتن
پیشِ آں محبوب سر انداختن

ترجمہ: آپ کا کام ہر لحظہ اللہ کے راستہ کا غم برداشت کرنا ہے اور اس محبوبِ حقیقی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔

کارتو بس بندۂ جاناں شدن
دل بدستش دادن و حیراں شدن

ترجمہ: آپ کا کام بس محبوبِ حقیقی کی بندگی کرنا اور اپنے دل کی آرزوؤں کو حق تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر کے خوش ہونا ہے۔

کارِ تو از دردِ دل نالیدن است
روئے آں محبوب ہردم دیدن است

ترجمہ: آپ کا کام ہر وقت اللہ کی یاد میں بے چین رہنا ہے اور ہر دم محبوبِ حقیقی کا دیدار کرنا ہے، یعنی مقامِ حضوری مع الحق آپ کو حاصل ہے۔

کارِ تو خونِ جگر افشاندن است
دل فدایش کردن و جاں دادن است

ترجمہ: آپ کا کام اللہ تعالیٰ کی محبت کے غم میں خونِ جگر بہانا اور دل و جاں اللہ پر فدا کرنا ہے۔

کار تو در ہجرِ او نالیدن است
خونِ دل، خونِ جگر باریدن است

ترجمہ: آپ کا کام غمِ فراقِ حق تعالیٰ میں رونا اور آنکھوں سے خونِ دل و خونِ جگر برسانا ہے۔

ہر کہ او شد عشق را زندانیے
یافت اندر بندگی سلطانیے

ترجمہ: جو شخص بھی اللہ کی محبت کا قیدی ہو گیا وہ اس غلامی میں سلطانِ حقیقی کو پا گیا۔

مُلک ہا دارند ایں زندانیاں
بے خبر بودند زاں سلطانیاں

ترجمہ: یہ اسیرانِ محبت اللہ کے باوفا بندے اپنے باطن میں ایسی سلطنت رکھتے ہیں جس کی دنیا کے بادشاہوں کو ہوا بھی نہیں لگی۔

ایں اسیرانِ وفا را پس بداں
رشکِ صد شاہاں و فخرِ خسرواں

ترجمہ: پس جان لو کہ یہ خاصانِ خدا شاہانِ دنیا کے لیے باعثِ رشک ہیں۔

ناشر: یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
بالمقابل چڑیا گھر • شاہراہ قائد اعظم • لاہور